

## زرد زمانوں کا سویرا

”اے شان کون آیا ہے۔“ وہ تھابل عار قانہ سے بولی حالانکہ پوریت میں کھڑی ریڈ سیک دیکھ کر وہ اچھی طرح جان لگی تھی کہ کون آیا ہے۔

ساتویں کلاس میں زیر تعلیم رحمان بھائی کا بیٹا شان بہت تیز تھا جھٹ بولا۔

”عطیہ پھوپھو کے سرال والے آئے ہیں۔“

”وہ تنجو بھی آیا ہے“ رہاب رازداری سے منہ اس کے کان کے قریب لے جا کر بولی۔

”نہیں، وہ تو آج نہیں آیا پر ایک لمبے بالوں والی مخلوق بھی آئی ہے شاید مرنے سے نزول ہوا ہے“ شان سوچ میں ڈوبے ڈوبے بولا تو رہاب

نے ایک زوردار صہ اس کی کمر میں لگا کر دو بلبلایا گیا۔

”قسم لے لو آج آسمندہ کوئی بات تمہیں بتائی“ وہ ناراض ہو گیا اتنے میں کل آپنی اس طرف آئیں۔

”یہ تم آتے ہی شروع ہو گئیں“ انہوں نے شان کا پھولا پھولا منہ دیکھ لیا تو رہاب نے جھٹ بات بدل دی۔

”آپنی آج گرمی سہی زیادہ ہے“ اس نے ماتھے سے نادیہ دہینہ صاف کیا۔

”اچھا چھوڑو یہ بتاؤ تمہارا پیچہ کیا ہوا ہے؟“

”فرسٹ کلاس ہوا ہے، سنا ہے کہ اندر کیٹ ڈسلیٹ کے سرال والے آئے ہیں“ وہ کھل کھلائی تو کھل نے اسے گھورا۔

”خبردار رہاب کوئی بد تمیزی نہیں چلے گی“ انہوں نے اسے آنکھوں ہی آنکھوں میں سرزنش کی تو وہ مسکراہٹ ہونٹوں میں دبائے اندر آ گئی

آج ہی میٹرک کا آخری پرچہ دے کر آئی تھی سوچ رہی تھی کہ جی بھر کر امتحانوں کا بوجھ اتارنے کی خوشی میں سوئے گی اور انجوائے

منٹ کا کیا زبردست طریقہ ہاتھ آیا تھا۔

تائی اماں کی چھوٹی صاحبزادی عطیہ کے سرال والے اسے ایک آنکھ نہیں بھاتے تھے خاص طور پر اس کا تیرے نمبر والا دیور عاقب اسے

انتہائی فضول لگتا تھا جب بھی آتا کل آپنی کو گھور گھور کر دیکھتا جیسے سالم ہی ٹھگل لے گا گزشتہ مہینے اس نے سر کے بال صاف کر دائے تھے اب وہ سر پر

اہتمام سے پرندہ رو ہال باندھ کر آتا رہاب نے اس کا نام ”تنجو“ رکھا تھا عطیہ کا نام کیٹ ڈسلیٹ رکھا تھا بد قسمتی سے یا کہ خوش قسمتی سے اللہ نے انہیں

شہری ہال اور گوری رنگت دی تھی وہ اس پہ بہت اکثرتی تھیں خود کو کسی ہالی ووڈ کی ہیروئن سے کم تصور نہیں کرتی تھیں اس لیے رہاب نے ان کا نام کیٹ

ڈسلیٹ رکھا ہوا تھا جبکہ عطیہ کی ساس اس عمر میں بھی جبکہ وہ تانی اور دادی بھی بن چکی تھیں خوب بنی سنوری رہتی تھیں اس لیے رہاب نے انہیں

”ہیروئن نمبرون“ کا خطاب دیا تھا۔

ان کے گھر کا ہر فرد ہی خوب تھا۔ عطیہ کی بڑی نند ایک انگلیش میڈیم سکول چلاتی تھیں جب بھی آتیں ہوں سنبھل سنبھل کر بیٹھتی جیسے شیشے کی بنی ہوں ذرا سی تھیں کتنے سے ٹوٹ جائیں گی ان کا نام رہاب نے "چینی کی گڑیا" رکھا تھا حالانکہ ان کے تھل تھل کرتے بے ہنگم سراپے پر یہ نام سوٹ نہیں کرتا تھا۔ کپڑے بدل کر کھانا کھائے بغیر ہی وہ نظر بچا کرتی رقیہ کے ڈرائنگ روم میں گھس گئی کچن کی طرف سے بڑی زبردست خوشبو نہیں اٹھ رہی تھیں اس کا مطلب یہ تھا کہ کھانا آخری مراحل میں ہے اسے دیکھتے ہی تائی اماں کی بڑی صاحبزادی عریشہ جو شادی شدہ تھیں کے ماتھے پر کئی ٹل پڑ گئے رہاب بھی ایک نمبر کی ذہیت تھی جھٹ بڑے ادب سے مہمانوں کو فرودا سلام کیا لے بالوں والی مخلوق کو اس نے بڑے جوش سے سلام کیا تو وہ بھی جو اسے غور سے دیکھ رہا تھا جھٹ بولا۔

"یار ادھر میرے پاس بیٹھ جاؤ۔" شارٹ کٹ بالوں نیلی۔ حیز اور سفید کرتے میں ملیں وہ اسے کوئی نو عمر سالہ لڑکی سمجھا تھا۔ "معاف کیجئے گا میں یار نہیں یاری ہوں۔" وہ عطیہ کی نند کے قریب بیٹھ گئی بے چارہ نند ان کھیا نی سے کسی ہنسنے لگا۔ رہاب اپنا ہیبت کے تمام تر رویا کو ڈھرتے ہوئے بیرونی نمبروں کے بی بی پائی ہونے کی شکایت کرنے پر اس کا علاج اور مشورے بتا رہی تھی چینی کی گڑیا سے پسندیدہ لگا ہوں سے دیکھ رہی تھی۔

جب سو فیہ بھائی کھانا لگنے کا کہنے آئیں تو "آئیے آئیے" کہتی ڈانٹتے ہال میں سب سے پہلے پہنچنے والی رہاب تھی تائی امی اور عریشہ کے منہ کے زاویے بار بار مگر رہے تھے اور رہاب سوچ رہی تھی کہ تائی، رقیہ اور عریشہ آپنی کو انگلیش ہارڈ فوٹوں میں زبردست رول مل سکتا ہے۔

"یہ چکن پلاؤ لیس ڈن عطیہ آپنی نے بنایا ہے اور یہ کوفتے چک کر دیکھیں ایمان سے حرا آ جائے گا" رہاب نے پلاؤ کو کوفتوں کی ڈش بیرونی نمبروں کی طرف بڑھائی جیسے ہی انہوں نے تھوڑے سے چاول اور ایک کوفتہ پلیٹ میں ڈال کر رہاب نے اس کے بعد فوراً ہی اپنی پلیٹ کتنا روں تک بھری بڑی فراخ دلی سے کوفتے اور کباب چاولوں پر چھائے۔ تائی اور عریشہ بڑی مشکل سے رکھی ہی منسکراہٹ ہونٹوں پر جمائے بیٹھی تھیں۔

عطیہ کے سر الی اپنا گھر سمجھ کر بڑی بے تکلفی سے کھارہے تھے اور وہ پوری طرح ان کا ساتھ دے رہی تھی مگر بعد اسیا مزید رکھنا مانا تھا اگر کھل آپنی یہاں ہوتیں تو آنکھوں آنکھوں میں اسے سرزنش کر تیں اس نے شکر کیا کہ کھل آپنی اس کی یہاں موجودگی سے لایم ہیں وہ کھانا آخری مراحل میں چھوڑ کر اپنے پورشن میں چلی گئی تھیں رہاب کے برعکس وہ بڑے صبر و شکر والی تھیں کھانے پینے کے معاملے میں کبھی نندیدوں کا سامنا ہر نہیں کیا جو ملا کھا لیا جو یا ہمیں لیا۔ رہاب کا پیت تو بھر گیا تھا بس اب وہ ایسے ہی کھانا خراب کر رہی تھی فیرنی کا ڈونگا اس نے لبالب بھر رکھا تھا۔

"آپنی یہ فردت فرائض بھی عطیہ آپنی نے بنایا ہے" چینی کی گڑیا سے اس نے سنیہ جھوت بولا۔

"بہت حریدار بھی بہت حریدار" بیرونی نمبروں کھاتے ہوئے بمشکل یہ لیں۔

"سچ آئی آپ کے تو حرے آجائیں گے عطیہ آپنی روز آپ کو حرے حرے کے کھانے کھائیں گی ہمارا کیا ہے گا" وہ جن جن کر فرائض میں سے پہلوں کے ٹکڑے کاٹنے میں پھنسا کر کھارہی تھی رقیہ کا دل چادر ہاتھ اسے کچا چا جائیں۔

"باقی اپنے کمرے میں جا کر کھاؤں گی" رہاب نے ایک پلیٹ میں چادر کو کوفتے اور چارہی کباب ڈالے اور اٹھ کھڑی ہوئی اس کی اس

حرکت پر ڈانٹنگ نیکل پر بیٹھنے کھانا کھاتے کچھ افراد کے چہرے پر غصے بھری سرفی پھیل گئی تھی۔

"بڑی دلچسپ لڑکی ہے" لمبے بالوں والے نے اس کے جانے کے بعد کہا۔

"یہ لیس آپی اور امی کھائیں مڑے اڑائیں" رباب نے پٹیت ان کے آگے دھری تو دونوں ماں بیٹی اچنبھے سے دیکھنے لگیں۔

"کہاں سے لائی ہو" عمارہ بولیں۔

"امی تائی امی نے خود دیے ہیں" اس نے نظر بچا کر جھوٹ بولا تو دونوں کو ہی یقین نہیں آیا۔

"کہیں کچن سے اڑا کر تو نہیں لائی ہو" کل آپی نے مشکوک نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے استفہار کیا۔

"اڑا کر کیوں لاؤں گی اس کھانے میں میرے باپ کا بھی حصہ ہے سب کے سامنے لائی ہوں" رباب کی آواز اونچی ہو گئی اس نے خود ہی

اپنا کارنامہ بتا دیا وہ دونوں سر پکڑ کر ہنسنے لگیں۔

"رباب مجھے تم سے اس حرکت کی امید نہیں تھی ویسے بھی ہم کھانا کھا چکے ہیں جاؤ یہ پٹیت واپس کر آؤ" کل ہمیشگی طرح آرام سے بولیں۔

"واپس تو نہیں ہوگی یہ" وہ مضبوطی سے بولی اور سنو روم کی طرف چلی گئی۔

مہمانوں کے جانے کے بعد تائی رقیہ اور عزیزان کے پورشن کی طرف آئیں۔

"ماں کی عادت بیٹی میں بھی ہے بتا دیاں آخر سب کو کہ ہمارا تعلق جو کے ننگے نصیال سے ہے اے بی ذرا اپنی بیٹی کو تیز ہی سکھادی ہوتی

اتنی بڑی ہو گئی ہے پر مشکل تو تیز تو چھو کر نہیں گزری اے خیر وہ بھی کیا کرے خون کا اثر ہوتا ہی ہے۔" وہ کبھی جھنجھکی چلی گئیں عمارہ بستر پر ڈھسے سے گئیں یہ

بے عزتی یہ تو جین آئے دن کا معمول تھی انہیں تو بہانے چاہئے ہوتا تھا اور رباب ایسے بہانے خوش قسمتی سے انہیں وافر مقدار میں فراہم کر دیتی تھیں۔

"امی اچھوڑیں بھی" کل کی آواز انہیں ڈھارس دیتے ہوئے خود بھیگ رہی تھی۔

"کل یہ کیوں ایسے کرتی ہے کیوں میرا امتحان لیتی ہے" اے کہہ دو مجھ میں ایسے امتحان دینے کی سکت نہیں رہی ہے کل اسے سمجھاؤ

میرے دل سے یوں نہ کھیلے" عمارہ رو رہی تھی۔

"امی کہوں گی میں اسے بس آپ ندر نہیں مجھے تکلیف ہوتی ہے" انہوں نے ماں کے آنسو صاف کئے۔ وہ شکر کر رہی تھیں کہ رباب یہاں

نہیں ہے ورنہ اس نے تو تائی کو دو بدو جواب دینے تھے اور امی کی حالت اور بھی خراب ہو جاتی تھی وہ پہلے ہی بلڈ پریشر کی مرہض تھیں اور رباب تو کل کا

الٹ تھی وہ سر جھکا کر ہر بری بھلی سن لیتی تھی پر یہ رباب تھی جو سید بھڑا کر کبھی میں پیا کا پینا ہوں پینا سب سے بدلہ لوں گا۔ اب اسی کی وجہ سے تائی اتنی

باتیں سناتی تھیں۔ وہ روز ہی جو بھی گھر میں پکا ہوتا تھا کھا لیتی تھی باں جس روز تائی یا چچی کے گھر کوئی مہمان آتا اس روز رباب اپنے پورشن میں قسمتی ہی

نہیں۔ بڑے بابا یعنی فضل کمال نے بڑے تینوں بیٹوں کی شادیاں اپنے ہم پلہ گھرانوں میں کیوں سب سے چھوٹے بیٹے اسد کی شادی انہوں نے نسبتاً

کتر گھرانے میں کی تھی ان کا خیال تھا کہ شاید مل کا اس سے لائی گئی بہو باقیوں سے مختلف ہو اور واقعی ایسا ہوا عمارہ نے اپنے حسن سلوک اور خدمت

سے سر اور شوہر کا دل جیت لیا تھا ان کی جھینٹیاں جل کر کوئلہ ہو گئیں ان کا خیال تھا کہ فضل کمال ساری جائیداد چھوٹے بیٹے کے نام کریں گے اسی

جہ سے تینوں ہمدقت عمارہ کو یہ جنتا میں کہ تم ہم سے کمتر ہو تم اپنی خاندانوں کی پڑھی لکھی خواتین ہیں تم نچلے درجے کی ہو، نخل میں ٹاٹ کا بیوند وغیرہ وغیرہ وہ ایسی ہی دل جھانے والی ہاتھیں کرتی رہتیں اسی دوران نکل پیدا ہوئی نخل کے ساڑھے چھ سال بعد رہا باب پیدا ہوئی۔ بڑے اہادوں پوتیوں خاص کر رہا باب سے بہت لاڈ کرتے تھے اور پیار سے اسے طوطا کہتے وہ ہاتھیں جو بہت کرتی تھی۔

رہا باب سات سال کی تھی جب بڑے اہانے ان کا ساتھ چھوڑا ان کے بعد اسد بھی فوت ہو گئے اور عمارہ کا واحد جوان بھائی بھی مارا گیا پنے درپے پریشاندوں کا انہاء کفر اہو گیا عمارہ کو احساس تھا کہ فضل کمال اور اسد ڈھال تھے۔ ان کے نہ ہونے سے غلاما پیدا ہو گیا تینوں بیٹھانوں کی مخالفت بڑھتی جا رہی تھی عمارہ بڑی صابر و شاکر عورت تھیں کبھی پلٹ کر جواب نہیں دیا اس لیے وہ اور بھی شیرینی ہوئی تھیں وہ سب کے بدلتے تیور دیکھ رہی تھیں شوہروں نے بھی بیویوں کو نہیں روکا پہلے تو وہ چپ چاپ کر ڈھکے چھپے اعزاز میں عمارہ کو اس کی حیثیت یا دولت میں پھر فضل کمال اور اسد کی موت کے بعد ان کا رہا سہا لٹا بھی ختم ہو گیا۔

اسد کے نام فیکٹری کا انتظام پاور آف انارنی کے ذریعے بڑے جیٹھ زاد کمال کے سپرد کر دیا گیا ان کی یہ خدمت تھی کہ پاور آف انارنی میرے نام ہونی چاہئے عمارہ بری طرح مجبور تھیں انکار کر کے یہاں سے دور بدر نہیں ہونا چاہتی تھیں۔ زائد برہا انہیں لگی بندھی لکلی ہی رقم دیتے جوں جوں نکل اور رہا باب بڑی ہو رہی تھیں یہ رقم کم ہوتی جا رہی تھی ان کا کہنا تھا کہ فیکٹری خسارے میں جا رہی ہے میں اپنا سرمایہ لگا کر اسے بچانے کی کوشش کر رہا ہوں۔ پھر وہ قائلین اور خیالات کے موٹے موٹے رجسٹراٹھا کر لے آتے کہ بھابی پڑھ لیس جو میں نے ایک پیسے کی بھی بے ایمانی کی ہو، معمولی سی پڑھی لکھی عمارہ ان وحید و گورکھ دھندوں کو کہاں سمجھ سکتی تھیں ان کا اثر مند ہو جاتا تھا ایسے میں رقیہ یہ کہتا نہ بھولتیں کہ:

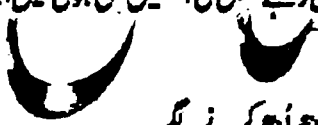
”آپ فیکٹری کے انتظامات عمارہ کو واپس کر دیں ہم ان کے نوکر نہیں ہیں محنت کر کے خون پسینہ بہائیں اور مجرم بھی ٹھہریں۔“

پھر انہیں ہی مٹیں کر کے جیٹھ اور بیٹھانی کو مٹا پڑتا۔ فضل کمال کی زندگی میں سب لوگوں کا کھانا ساتھ پکنا ان کی موت سے کچھ عرصہ بعد عمارہ کو ہدایت ملی کہ تم اپنا چولہا الگ کر لو ساتھ ہی ان کی رہائش بھی تبدیل ہو گئی شوروم کے ساتھ جو کمرہ تھا وہ ان تینوں ماں بیٹیوں کے حوالے کر دیا گیا عمارہ نے اسے نقد پر کا فیصلہ جان کر قبول کر لیا تھا نخل جو پہلے ایک اچھے اور مشہور تعلیمی ادارے میں پڑھتی تھی بعد میں ایک معمولی سے سکول میں آ گئی فیکٹری روز بروز خسارے میں جو جا رہی تھی۔ تمام کزنز کا سلوک ان دونوں بہنوں کے ساتھ غلاموں اور اچھوتوں والا تھا عمارہ تو کسی گنتی میں ہی نہیں تھیں۔ سکول سے واپس آنے کے بعد تائی کے ہاؤس پر کچن میں چلی جاتی جہاں بہت سے کام اس کے منہر ہوتے سکول سے کانچ میں آتے ہی کاموں میں اضافہ ہو گیا تائی کے ساتھ ساتھ دونوں چچیاں بھی اس پر انحصار کرنے لگی تھیں باورچی خانے کا تمام نظام نخل کے سپرد تھا بڑے تینوں بھائیوں کے خاندانوں کا کھانا پہلے کی طرح ایک ہی جگہ پکاتا تھا۔

کچل ہاورچی خانے میں گھسی پلاؤ کو دم دے رہی تھی جانے رہا ب کو کس نے بتایا کہ چکن پلاؤ پک رہا ہے وہ سیدھی کچن میں چلی آئی کچل پلاؤ کو دم دینے کے بعد چلی گئی تھی رہا ب نے سٹول اٹھا کر کچن کاؤنٹر کے قریب رکھا اور اوپر چڑھ کر چٹلی کا ڈھکن اتارنے لگی اسی اثناء میں چچی کا ادھر سے گزر ہوا وہ رقیہ کو بھی بلانا میں اندر کا منظر کچھ یوں تھا۔ آٹھ ساڑھے آٹھ سالہ رہا ب ادھ گئے چاول کاؤنٹر پر پی ڈالے حرے سے سٹول پر چڑھے کھارہی تھی رقیہ نے آؤ دیکھا نہ تاؤ پوری قوت سے رہا ب کو لگا تار کئی طمانچے مارے اسے کچھ سمجھ ہی نہیں آ رہا تھا کہ یہ کیوں ہو رہا ہے وہ تو اپنے پسندیدہ چاول کھارہی تھی اور جی ہی جی میں اپنی اس شرارت پر خوش ہو رہی تھی۔ کاؤنٹر کی دیوار سے اس کا سر ٹکرایا تو سر سے خون کا فوارہ چھوٹ گیا عمارہ رہا ب کی چپٹیں سنبھکی بھاگی بھاگی آئیں پیچھے کچل کا گھبراہٹا ہوا چہرہ تھا۔

”اٹھاؤ اس حرام خورد کو، یہاں بھی بے برکتی دکھانے آگئی کل سے اگر اسے کچن میں یا آس پاس بھی دیکھا تو خیر نہیں ہے“ رقیہ غیض و غضب میں بھری ہوئی تھیں عمارہ اور کچل دونوں رہا ب کو لے کر آگئیں اس روز کچل نے رات کو پہلی بار بتایا ہے پیسے مانگے جھوٹ بول کر۔

”تایا ابا میں نے شوز لینے ہیں بالکل پھٹ گئے ہیں اب دو کٹاں میں پہننے کے لائق نہیں رہے“ کچل کی آنکھیں جھلکی ہوئی تھیں اسے بے حد شرمندگی اور خوف محسوس ہو رہا تھا کیونکہ عمارہ نے اسے سچ بولنے کی تلقین بچپن سے ہی کی تھی۔



”تو کوئی اور پہن جاؤ کٹاں میں سب چلا ہے“ وہ بے نیازی سے سامنے رکھے اخبار کو ادھر ادھر کرنے لگے۔

”تایا اب اتنی پرنسپل آئی ہیں بہت سخت اور نظم و ضبط کی پابند ہیں“ کہتے کہتے کچل کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے کیونکہ یہ واقعی سچ تھا۔

”اچھا یہ روٹا دھوا بند کرو اور پیل سے شوز خرید لینا“ انہوں نے ایک سوئیں روپے اس کے ہاتھ پر رکھ دیے کچل آنکھوں میں ڈیروں جگنوں چھپائے پیسے مٹھی میں دبائے اپنے کمرے میں آئی کل پانچ تاڑیں تھیں عمارہ کو مگر کا سودا سلف خریدنے بازار جانا تھا ان کے پاس صرف اتنے پیسے ہوتے تھے کہ وہ وال مرچیں، چینی جینی بھی بمشکل خرید پاتیں۔ گوشت مرغی خریدنے کی استطاعت ہی نہیں تھی۔ عمارہ جب سٹور سے باہر نکلی تو کچل نے وہ پیسے ماں کی مٹھی میں تھما دیے۔

”ای کل میں نے تایا ابا سے لیے تھے ان روپوں کی ایک گلو مرغی اور چاول خرید لیتے ہیں رہا ب کو اچھے جو گلتے ہیں“ اس کے لہجے میں بہن کے لیے بے پناہ محبت تھی۔

”کیسے دے دیئے ہیں انہوں نے یہ پیسے“ عمارہ زاہد کی فطرت سے آشنا تھیں اس لیے ان کا سوال بھی فطری تھا۔

”امی جھوٹ بول کر لیے تھے“ کچل کی پیشانی بوندوں سے چمکنے لگی۔

”کب تک جھوٹ بول بول کر اس کی خواہشوں کو پورا کر دگی“ انہوں نے سخت لہجہ اپنایا۔ یہ اچھا ہوا کہ اس سے ناراض ہونے کے باوجود انہوں نے مرغی اور چاول خرید لیے پر رہا ب نے آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھا ہیڈنگ کئے ہوئے سر کے ساتھ دو چپ چاپ بستر پر لیٹی رہی دونوں نے سستی خنسی کیس تو ڈوڑے سے کھاؤ تمہاری پسند کا لیک چیس بھی ہے مگر رہا ب نے کروٹ بدل کر آنکھیں بند کر لیں عمارہ کو اس کی خاموشی سے بڑا خوف آیا۔

اب وہ بھگداز ہو رہی تھی اور نوین کلاں میں آگئی تھی اس کی سوچوں میں انقلاب آ گیا تھا ایک روز بے خیالی میں عمارہ کے منہ سے نکل گیا۔  
 "کاش ایک بیٹا ہی ہوتا" یہ جملہ، یہ خواہش، یہ حسرت نیزے کی انی کی طرح رہا باب کے دل میں بیوست ہوئی وہ شام کو مسز بھائی کی بہو سے اپنے لیے ہال کٹوا آئی کھل اور عمارہ کو اس کا شارٹ ہاب کٹ اسٹائل بالکل عظم نہیں دور با تھا اتنے خوبصورت ہال تھے اس کے لیے چمکدار ریشم سے۔ شزاہ اور حمد تو تاک میں رہتی تھیں کہ جانے وہ کیا استعمال کرتی ہے جو اس کے ہال ایسے ہیں اس کے ہال بڑھتے بھی تو بہت جلدی تھے چھ چار ماہ بعد کھل اس کے ہال تھوڑے تھوڑے کاٹ کر برابر کر دیتی جب اس کے ہال کھلے ہوتے اور جب وہ چلتی تو ہر قدم کے ساتھ جب وہ ہلکورے لیتے تو نہایت حسین لگتے اسد کو تو رہا باب کے ہال بہت پسند تھے عمارہ کو خوشی سے کہا تھا کہ اس کے ہال مت کٹواتا اور آج وہ خود ہی کٹوا کر آگئی تھی ذرا دیر میں اس نے پیتا دا بھی بدل لیا سفید کرتا اور نیچو کی نیلی جینز جسے وہ ٹھکر چکا تھا رہا باب کے جسم پر نظر آ رہی تھی ایک دم ہی وہ لڑکی سے لڑکا لگنے لگی تھی مگر بھر کو اس تبدیلی کی خبر ہوئی سب کے مذاق اڑایا مگر رہا باب نے کسی پر بھی قہقہہ نہیں دیا۔

پھر اسے کرائے سے کیٹنے کا شوق ہوا کئی دن عمارہ اور کھل کے آگے پیچھے گھومتی رہی کہ داخلہ دلوادو کئی نہ کسی طرح بات زائد تک پہنچ گئی انہوں نے اسے طلب کر لیا تمام گھر جمع تھا سب ہال کمرے میں بیٹھے ہوئے تھے جب دو عمارہ انداز میں سر اٹھائے اندر داخل ہوئی۔  
 "کیوں رہا باب میں یہ کیا سن رہا ہوں تم کرائے سے کیٹنا چاہتی ہو۔" وہ اس کے اس انداز کو عظم نہیں کر پار ہے تھے۔  
 "جی تایا بابا مجھے شوق ہے کرائے سے کیٹنے کا، ایک ماوی کی فیس پانچ سو روپے ہے اور ایڈمیشن فیس ایک ہزار ہے" اس نے اعتماد سے بتایا تو رقیہ کھول ہی گئیں۔

"کیوں تم نے چاروں ڈاکوؤں کے گروہ میں شامل ہونا ہے جو کرائے سے کیٹو گی" انہوں نے غصے سے اسے دیکھا۔  
 "تایا بابا چرو ڈاکو کرائے نہیں سیکھتے اس مقصد کے لیے ان کے پاس کلا شکوف اور زچا لاور ہوتے ہیں۔" وہ سکون سے بولی تو زائد کمال کا پارو چڑھ گیا۔ "عمارہ عمارہ" انہوں نے آواز دی وہ ڈرتی ڈرتی آگے آئیں۔ "میں تربیت کی ہے تم نے اس کی، بڑوں سے بات کیسے کی جاتی ہے اسے سیکھاؤ۔" انہوں نے بات ہی ختم کر دی۔

بس یہیں سے وہ بدلنا اور ضدی ہو گئی تھی رقیہ کے آگے بولنے کی ہمت کسی میں نہیں تھی پر رہا باب تو ان کے آگے چلے کر بولتی بڑی چچی اور چھوٹی چچی بھی اس کے بدلتے تیروں سے خائف رہنے لگی تھیں دو کالر جھاڑ کر کہتی "میں بیٹا ہوں بیٹا اپنے بیٹا کا۔"

کھل نے بی ایس سی کے بعد تعلیم کو خیر باد کہہ دیا تھا اسے ہوم اسائنمنٹس میں ماسٹر کا شوق تھا تایا نے صاف صاف کہہ دیا کہ فیکلٹی سے اتنی آمدنی نہیں ہوتی میں تمہیں ہوم اسائنمنٹس جیسی مہنگی تعلیم کیسے دلاؤں؟ ہوم اسائنمنٹس کی تعلیم اتنی مہنگی نہیں تھی کم از کم ایم بی اے سے تو مہنگی نہیں تھی انہوں نے فہد کو ایم بی اے کے لیے باہر بھیجا ہوا تھا کسی میں ہمت ہوتی تو کہتا کہ لاکھوں کروڑوں کی لگائی گئی شوگر مل سے اتنی آمدنی بھی نہیں ہوتی کہ تعلیم کا خرچہ ہی پورا کر سکے پر یہ ہمت کرتا کون کھل اور عمارہ اتنی بہادر نہیں تھیں رہا باب اس وقت بہت چھوٹی تھی اپنے آپ میں لگن اور لا پر وار رہا باب برقی بارش اور گر جتے بادلوں میں چوزے کی طرح ماں کی آغوش میں دبک جاتی اس کے مصحوم ذہن میں بڑے بابا اور چچا کی موت کا منظر تازہ تھا۔

وہ ایک محل برسات کا روز تھا بادل گرج رہے تھے بجلی پوری شدت سے چمک رہی تھی جڑے بادھنکرنے لگے رہا ب برآمدے میں تھی وہ واش بیسن کی طرف جاتے جاتے دُہرے ہو گئے بادل گرجے وہ زمین پر گر پڑے اس نے چیخ کر گھٹنوں میں سر چھپا لیا سب اندر سے بھاگتے ہوئے نکلے تب تک بڑے ابا ٹھنڈے ہو گئے تھے اچانک دل کا دورہ جان لیوا ثابت ہوا تھا۔ چاکی وقات کے دن بھی بادل گرج رہے تھے یہ دونوں پوری بد صورتیوں کے ساتھ اس کی یادداشت کے خانے میں محفوظ تھے اس کے بعد جب بھی بارش ہوئی، بجلی چمکی، بادل گرجے رہا ب کی حالت قابلِ رحم ہو گئی وہ سارا سارا دن عمار دیباکل سے لگی بیٹھی رہتی ایک پہل کے لیے بھی پاس سے نہ بٹنے دیتی خود بھی ڈرتی اور انہیں بھی ہولاتی۔

عمارہ بہت پریشان تھیں مسز بخاری جو ان کے پڑوس میں رہتی تھیں انہوں نے مشورہ دیا کہ رہا ب کو کسی ماہر نفسیات کو دکھائیں انہوں نے ایک دوبارہ گھر لے اخراجات کم کر کے یہ بھی کر کے دیکھ لیا مگر مسئلہ جن کا توں رہا جب بھی بارش ہوتی رہا ب آنکھیں بند کئے بستر میں دبک جاتی۔ عمارہ نے ایک بار دینی زبان سے زائد سے کہا کہ اسے کسی اچھے ڈاکٹر کو دکھائیں انہوں نے ہمیشہ کی طرح اخراجات کی زیادتی کا رونا دیا فیکٹری کے خسارے کا بتایا ساتھ اپنا احسان چٹایا کہ میں نے اپنے شیئرز نکال کر فیکٹری میں لگائے ہیں تاکہ اس کی ذوقی ساکھ کو کچھ تو سہارا ہو۔ عمارہ چپ ہو گئیں۔ اس روز وہ بہت رومیں بیٹی کا معاملہ تھا اس کی شادی بھی کرنی تھی ادھر تینوں جیٹھانوں نے رہا ب کو ”نفسیاتی مرینڈ“ کہنا شروع کر دیا تھا جو بھی گھر میں آتا عمارہ کو ہمدردانہ مشورے دیتا اور تانسف کا اظہار کرتا۔

گھر میں سب لوگوں کو علم تھا کہ رہا ب کے ساتھ یہ مسئلہ ہے اس کے بعد تو سب رشتہ داروں کو بھی علم ہو گیا کہ رہا ب کے ساتھ نفسیاتی مسئلہ ہے خود عمارہ کے بہن بھائی اس واقعے کے بعد رہا ب سے کترانے لگے تھے کم فہمی اور لاعلمی کے باعث ان کا خیال تھا کہ یہ بیماری ان کے بچوں کو بھی لگ جائے گی حالانکہ یہ خالصتاً ذہنی مسئلہ تھا۔ عمارہ نے خود ہی آہستہ آہستہ ہر جگہ آتا جانا کم کر دیا کل اور رہا ب کو تو ساتھ لے کر جانے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا تھا بھائی کی موت کے بعد انہوں نے بھائی کے گھر جانا بھی ختم کر دیا اگر رہا ب بھی ان کے ساتھ جاتی تو وہ فوراً اپنے بچوں کو ادھر ادھر کر دیتیں۔ دو بیٹیں تھیں جو گاؤں میں اپنے ہی جیسے لوگوں میں بچھا ہی ہوئی تھیں ان کے سسرال والے پسند نہیں کرتے تھے کہ وہ نیسے والوں سے زیادہ میل جول رکھیں عمارہ کی شادی اونچے گھرانے میں ہوئی تھی اس وجہ سے وہ احساس کتری کا شکار رہتی تھیں سسر اور شوہر کی وفات کے بعد اس اونچے گھرانے کا بھی پول کھول گیا۔ چالیسویں پر عمارہ کی جیٹھانیاں جس حقیرانہ طریقے سے اس سے پیش آرہی تھیں یہ عمارہ کی دونوں بہنوں کے لیے بڑا غمازیت بخش تھا اندر لگی حسد کی آگ پر کچھ سرد پانی کے چھینٹے پڑے وہ بہن سے ملنے جلنے میں محتاط ہو گئی تھیں۔

جس مکان میں عمارہ کی سب بہن بھائی شادی سے پہلے رہتے تھے وہ فروخت کر دیا گیا رقم بھائی اور بہنوں کے حصے میں آئی عمارہ کو پھوٹی کوڑی تک نہ ملی وہ سب عمارہ کے غمات و کچھ کر اندر ہی اندر چلتی تھیں وہ اس بات کی قائل تھیں کہ جو تارے پاس نہیں ہے وہ کسی اور کے پاس بھی نہیں ہوتا چاہئے۔ یوں وہ ہر طرف سے اکیلی ہو گئیں جو کرنا تھا خود کرنا تھا فیکٹری شوہر کے بھائی کے پاس تھی وہ خود سنو روم میں نخل ہو گئی تھیں ان کی بیٹیاں عام تعلیمی اداروں میں پڑھ رہی تھیں عمارہ کو اب تعلیم کی اہمیت کا شدت سے احساس ہوا تھا تینوں جیٹھانیاں اعلیٰ تعلیم یافتہ تھیں بس ایک وہی تھیں جنہوں نے واجبی ہی تعلیم حاصل کی تھی وہ کل اور رہا ب کو..... ہر ممکن تعلیمی سہولت مہیا کرنا چاہتی تھیں۔





”میرے ہاتھ مارن مزد سے ملتے جلتے ہیں۔“

ایسے میں کل ہی کام آتی تھی آج بھی صبح سے صوبہ بھابی کے ساتھ لگی ہوئی تھی چھوٹے موٹے کام خاندان میں جتا رہا تھا انیس، شمار اور اسامہ نے بھی ہاتھ بڑا لیے تھے انکی کٹا کر شہیدوں میں شامل ہوئی تھیں۔

حسب معمول عطیہ کے تمام سسرالی آئے ہوئے تھے رہا باب نے تیز سے سلام کیا اور بیٹھ گئی آج تو حنجو بھی آیا ہوا تھا لیے بالوں والی مخلوق دائیں طرف بیٹھی ہوئی تھی شادی بیاہ کی باتیں ہو رہی تھیں لیے بالوں والے نے بڑی عاشقانہ نظروں سے رہا باب کو دیکھا اور ہا آواز بلند کہا۔

”مس آپ مجھ سے شادی کریں گی۔“ یہ ہم چھڑ کر وہ اپنی مٹی کی طرف مڑا اور کہا۔

”میں نے اگر شادی کی تو اسی سے کروں گا“ حنجو بھی پھیل گیا اس کی نگاہ احتساب تل پر جا ٹھہری بس پھر کیا تھا رہا باب نے عطیہ کے سسرالیوں کی کسی پشت کو بھی نہ پیشا عمارہ اور کل بمشکل تمام اسے باہر لے کر گئیں۔ حنجو اور لیے بالوں والے کی مٹی رقیہ کو کوسو باتیں بنا کر گئیں اور ڈھکے چھپے انداز میں منگنی توڑنے کی دھمکی بھی دی رقیہ اور آمنہ وندتانی عمارہ کے سر پر جا بیٹھیں۔

”عمارہ بی! اگر عطیہ کی منگنی ٹوٹی تو میں تمہاری ان لاڈلیوں کو زندہ دفن کر دوں گی، باندھ کر رکھوا نہیں یہ اپنے حسن اور ناز و انداز کے تیر کہیں اور جا کر چٹائیں تو بہ کیسی گھٹی اور اپنی طرح چالاک اولاد پیدا کی ہے خدا جانے اندری اندر کیسے چکر چلتے رہے کہ وہ لڑکا افشاں کے رشتے سے انکاری ہو گیا۔“ حالانکہ یہ بات بالکل جھوٹ تھی اس نے اقرار ہی نہیں کیا تھا تو اقرار کا سوال کہاں سے پیدا ہو گیا۔ وہ دونوں رہا باب کو کچا چاؤ اٹانا چاہتی تھیں دونوں نے اپنے شوہروں کو ایک کی چار لگا کر سناٹیں چھوٹے بچا کا ہاتھ رہا باب پر اٹھتے اٹھتے رو گیا کل کی بھی طلحی ہوئی۔

”خوب باپ کے مرنے کے بعد گل کھلا رہی ہو“ بتایا ابانے خون آشام نگاہوں سے کل کو دیکھا تو اس کی جان پتے کی طرح کا پنے لگی انہوں نے جانے اسے کیا کیا کہا وہ سر جھکائے سنی رہی مگر رہا باب اس وقت ضبط کی کڑی منزاؤں سے گزر رہی تھی اس سے مزید کھڑے ہو کر صفائی پیش کرنا دو بھر دور ہاتھ وہ بھاگ آئی عمارہ اور کل زیر عتاب رہیں۔

”صاحبزادی جاؤ جلد ہی تمہارا رشتہ ڈھونڈوں گا“ بتایا ابانے اس جملے پر کل کی گردن بگھنٹوں سے جا لگی وہ کہتا چاہتی تھی نہیں بتایا اب اسکی بات نہیں ہے مگر اس کی تو ہونٹ ہی گویا سل گئے تھے۔

”تم دونوں بینش آئندہ کسی مہمان سے نہیں ملو گی اور نہ ذرا رنگ روم کی طرف آؤ گی“ بڑے بچانے بھی حصہ لیا۔

تینوں بھائیوں کا قصہ دیکھ کر لگ رہا تھا کہ رہا باب کی شامت آنے والی ہے عمارہ اسے زبردستی ممانی کے گھر چھوڑ گئیں وہ بری طرح مٹل رہی تھی کہ مجھے یہاں نہیں رہنا ہے خود بھابی کے ماتھے کے تل دور ہونے میں نہیں آ رہے تھے عمارہ نے اسے اپنی ممتا کا دوا-سطوے کر رکھا۔ وہ اپنی پر مسز بخاری کے پاس سے انہوں نے عطیہ کے سسرال فون کر کے صفائی مانگی روئیں اور منگنی نہ توڑنے کی منت کی پھر یہ ہوا کہ اس کے سسرال والے آئے ٹھونسا اور منگنی نہ توڑنے کی خوشخبری سنا گئے۔

ادھر رہا باب سخت مشکل میں تھی ممانی اس سے بات تک نہیں کر رہی تھیں اور نہ بچوں کو اس کے قریب پہنچنے دے رہی تھیں وہ اچھوتوں کی

طرح کمرے میں بند رہ کر کتابی ایک ہفتے بعد امی اسے لے گئیں یہ سات دن اس کے لیے بڑے ہولناک تھے۔ یوں لگ رہا تھا کہ دنیا سے اس کا رابطہ ہی کٹ گیا ہے۔

”امی کیا بات ہے یوں چپ کیوں ہیں؟“ بھل نے ان کو پریشان دیکھا تو چلی آئی۔

”کچھ نہیں ہے“ انہوں نے زبردستی کی مسکراہٹ ہونٹوں پر چھائی تو وہ ٹھک گئی کہ کوئی نہ کوئی بات ہے ضرور۔

”امی مجھے اپنی پریشانی نہیں بتائیں گی“ اس نے غلوں سے ماں کے دونوں ہاتھ تمام لئے۔

”رہا باب کا رزلٹ آنے والا ہے اسے آگے داخلہ دلانا ہے کتابوں یونیفارم کا خرچہ اور نہیں بھی تو لازمی دینی ہوگی کہاں سے ہوگا یہ انتظام“

وہ بے حد پریشان لگ رہی تھیں۔

”امی فکر مت کریں اللہ بڑا سبب الہا سبب ہے سز کرمانی نے مجھ سے کچھ کمزورے سلوائے تھے اچھی سلائی دی ہے اور وہ پے میرے پاس

پڑے ہوئے ہیں رہا باب کے داخلے کے اخراجات پورے ہو چکی ہیں گے انشاء اللہ اسے ہم آگے ضرور پڑھائیں گے“ بھل کے لہجے میں عزم تھا

عمارہ نے بے اختیار اپنی ساری بیٹی کو پک کر گلے سے لگا لیا۔

”اچھا رہا باب کو بھی اور میری بھانجی کو بھی بیٹھی ہوگی ڈار سے چھتری کو بج کی طرح“ انہوں نے کہا۔

”ڈار سے چھتری کو بج کیوں ہونے لگی اور روتی ہے اس گھمڑی“ بھل نے بے اختیار روٹھنے کی عمارہ مسکراتے لگیں۔

رہا باب کا رزلٹ بھی آؤٹ ہو گیا پہلے دس بہترین طلباء کی لسٹ میں اس کا نام بھی شامل تھا یہ بڑے اعزاز کی بات تھی کسی بھی اچھے کالج میں

بغیر کسی سنڈارش کے بھی اسے داخلہ مل سکتا تھا رہا باب لاکھ جھگڑا اور زبان دراز کسی مگر پڑھائی میں بہت اچھی تھی اور یہ اس کا بیس پوائنٹ تھا وہ صرف

امتحانات میں پوری دلچسپی سے پڑھتی اور ساری ساری رات جاگ کر پڑھنے والے سٹوڈنٹس کی طرح کے نمبر لاتی جو بات دوسرے سٹوڈنٹس ایک

ایک ہفتے تک نہ سمجھ پاتے وہ محض پانچ دس منٹ میں سمجھ پاتی تھی مزے کی بات یہ تھی کہ اسے اپنی اس خوبی سے کوئی خاص غرض یا لگاؤ نہیں تھا اس کی

اس لا پرواہی پر بھل اکثر اسے ٹوک دیتی تھی۔

اس روز رہا باب سٹور میں تھکی ہوئی تھی بکرا ہوا سامان اٹھا کر اس نے کونوں میں کر دیا تھا اب سٹور کھلا کھلا لگ رہا تھا۔

”میں رات کو یہاں پڑھا کروں گی“ اس نے بتایا بھل اور عمارہ کو اعتراض نہیں تھا اب وہ بڑی کلاس میں آگئی تھی جتنا زیادہ پڑھتی اس کے

لیے اتنا ہی اچھا تھا۔ کالج میں داخلہ لینے ہی رہا باب کی مصروفیات بڑھ گئی تھیں وہ کالج ٹائم سے لیٹ آتی تھی عمارہ نے سبب پوچھا تو بتا دیا۔

”میں اپنی فرینڈز کے دونوں چھوٹے بھائیوں کو ٹیوشن پڑھا کر آتی ہوں اس لیے دیر ہو جاتی ہے“ وہ رات کو بھی تھکی تھکی دیر جاگتی رہتی تھی

سٹور وہم کو جائے پناہ دینے کے تئیں کاغذ سامنے پھیلائے وہ مکمل طور پر تگن ہوئی تھی بھل اور عمارہ اپنے اٹھوتے کمرے میں اسے ڈسٹرب نہ کرنے کے

خیال سے جلد سو جاتیں انہیں علم نہ ہوتا کہ وہ کب بستر پر آئی اور سوئی ان کے لیے یہی بہت تھا کہ وہ پڑھائی میں واقعی دلچسپی لینے لگی ہے بھل نے ایک

روز یونہی اس کے مضامین پوچھے تو اس نے بتایا کہ اس کا کس پلٹھن کل سائنس اور جرنلزم۔

”تینوں مضمون خاصے تھے ہیں تمہیں گھبراہٹ نہیں ہوتی۔“ اس نے پونہی بریکٹیل تذکرہ پوچھا۔

”نہیں آپنی گھبراہٹ کیسی“ وہ خوش دلی سے بولی۔

افشاں اور غمار کے احتمالات قریب تھے دونوں سارا سارا دن اور رات کمرے میں پڑھائی کرتی رہتیں رخصت اور آمنہ ماسا کی ماری باداموں والا دودھ اور طوے زبردستی انہیں کھارہی تھیں ہر گئے آئے سے وہ تذکرہ کرتیں کہ ہماری پچیاں بڑی تختی ہیں ہر وقت پڑھتی ہی رہتی ہیں کھانے پینے تک کا ہوش نہیں ہے دل میں رباب اور کل بھی مرعوب تھیں اس روز رباب کو آمنہ چچی نے زبردستی روک لیا۔

”جاؤ دونوں بہنوں کو یہ دودھ دے آؤ“ انہوں نے پتے بادام ملا دودھ کا جگ اسے تھمایا چار رباب کو یہ خدمت سرانجام دینی پڑی اس نے کمرے کا دروازہ دنگ کیا جو اندر سے لاک تھا اسے دروازہ بند کر کے پڑھنے کی وجہ سمجھ میں نہیں آئی۔

”کون“ اندر دھنسنے غمار نے صدا لگائی۔

”میں ہوں رباب، دروازہ کھولیں چچی نے دودھ بھیجا ہے۔“ اس نے بتایا۔

”آ جاؤ اندر“ غمار نے اسے ہٹ کر جگہ دی اور دروازہ دوبارہ بند کر دیا سامنے وی سی آر لگا ہوا تھا رباب کی نظر جھٹکتی ہوئی سکرین پر پڑی اس کا سارا لہجہ کالوں پر جمع ہو گیا ہاتھ جیروں میں سنسناہٹ سی ہونے لگی ایسی قسم اس کے کب دیکھی تھی قسم تھی یا شیطان خزانہ۔

”رباب بیٹھ جاؤ دیکھو کتنی دھانسو قسم لگی ہوئی ہے جا کر کہہ آؤ تم بھی ہمارے ساتھ پڑھ رہی ہو“ افشاں نے آج پہلی بار اس سے نرم لہجے میں بات کی اور غمار نے آنکھ دبا کر اسے دیکھا۔

”نہیں میں نہیں دیکھوں گی۔“ وہ جلد از جلد یہاں سے نکلنا چاہتی تھی وہ مڑی تاکہ جائے افشاں اور غمار دونوں اس کے سامنے آئیں۔

”دیکھو رباب جو کچھ اس کمرے میں دیکھا ہے باہر جا کر کسی سے اس کا تذکرہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے“ افشاں سرد لہجے میں بولتی دروازے کے آگے سے ہٹ گئی اس کے نکلنے ہی انہوں نے دوبارہ لاک لگا لیا وہ جب واپس اپنے کمرے کی طرف آ رہی تھی تو اس نے سنا آمنہ چچی رخصت چچی سے کہہ رہی تھیں۔

”پڑھ پڑھ کر دونوں کے اتنے سے منہ کل آئے ہیں احتمالات کے بعد انہیں کہیں باہر سیر کرانے لے جائیں گے۔“

”ہاں ٹھیک ہے فرانس چلتے ہیں۔“ رخصت نے تائید کی۔ رباب کمرے میں پہنچنے ہی ذخیر ہو گئی غمار اور افشاں جو کچھ دیکھ رہی تھیں نہ جانے وہ فلموں کی کوئی فلم میں شمار ہوتی تھی پہلے اس کا خیال تھا کہ اثر بین فلمیں اس قابل نہیں ہوتیں کہ انہیں فلمی کے ساتھ بیٹھ کر دیکھا جائے اب وہ جو کچھ دیکھ کر آئی تھی اس کا خیال تھا کہ اسے تو اس لیے بیٹھ کر بھی نہیں دیکھا جاسکتا نہ جانے کیوں اسے انسوس سا ہوا دونوں کی مانیں گئیں تھیں کہ وہ پڑھائی کر رہی ہیں انہوں نے جا کر یہ معلوم کرنے یا دیکھنے کی بھی ضرورت ہی نہیں محسوس کی کہ واقعی دونوں پڑھ رہی ہیں یا کچھ اور کر رہی ہیں؟ خاصی دیر بعد وہ ناگوار خیالات سے چھٹکارا پانے میں کامیاب ہوئی۔

تایا ابا کے چھوٹے صاحبزادے ایم اے کے کر کے لوٹ آئے تھے فہد علیہ سے بڑا اور عریضہ سے چھوٹا تھا سب سے بڑا ریحان تھا جو شادی

شدہ اور صاحب اولاد تھا اس کے بعد مرثیہ اپنے گھر کی ہو چکی تھی عطیہ کی بھی بات پکی تھی اب صرف فہرہ گیا تھا بہن بھائیوں کو اس کی شادی کا بڑا ارمان تھا آمنہ اور رحمت دونوں چاہتی تھیں کہ وہ ان کا داماد بنے ایک لڑکا تھا اور تین لڑکیاں تھیں آج کل تو آئے روز اس کی دعوتیں ہورہی تھیں کبھی خالد کے گھر کبھی پھوپھو کے گھر کبھی اس چچی کے ہاں برجہ اسے دی آئی پناہیٹ منٹ مل رہی تھی افشاں، غبار اور سہیلی اسے متاثر کرنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگا رہی تھیں کسی کو معلوم نہیں تھا کہ فہرہ کے دل میں کیا ہے ہاں باپ دونوں کی طرف سے اس پر جلد شادی کرنے کا دباؤ بڑھتا جا رہا تھا اور وہ تھا کہ مسلسل نالے جا رہا تھا ہر کوئی اس کی تعریفیں کر رہا تھا مگر رباب کو فہرہ اچھا نہیں لگا تھا وہ جب سے آیا تھا ایک بار بھی ان کے پورشن کا رخ نہیں کیا بس سرسری سا آتے جاتے حال احوال پوچھ لیا اس نے اسے بھی بٹ لسٹ پر رکھ دیا گنڈ بک میں وہ پہلے ہی نہیں تھا۔

اس روز تینوں گھروں کی مشترکہ دعوت تھی تایا امانے رحم کھا کر ان تینوں کو بھی مدعو کر لیا عمارہ نے کھل اور اسے دونوں کو اچھے کپڑے پہننے کی تلقین کی اور خود بھی نہادھو کر سفید کاشن کا سوٹ پہنا کھل چکن کے کپڑوں میں اپنے سادہ محلے میں بھی اچھی لگ رہی تھی ہاں رباب نے کوئی خاص تیاری نہیں کی نیلی جنور کے اوپر آف وائٹ کرتا بہن لیا بالوں میں برش پھیر لیا کسی بھی قسم کی جیولری اور میک اپ سے تو اسے بھی خاص دلچسپی نہیں تھی بس اس کی تیاری کھل تھی ہاں اس کے پہلے کی نسبت خاصے بڑے ہوئے تھے تین چار ماہ سے اس نے کٹوائے ہی نہیں تھے اب اس کا ارادہ دوبارہ سے ہال بڑھانے کا تھا کالج میں اس کی جو دوست بنی تھی۔ اس کے ہال بے تحاشا لمبے تھے رباب کو اپنے ہال یاد آگئے ساتھ ہی دکھ بھی ہوا کہ کیوں کٹوائے تھے اس لیے وہ آج کل بڑھ رہی تھی۔

عمارہ اور نیلی جا کر خاصے ٹھکف سے بیٹھ گئیں رباب بھی ایک میگزین دیکھنے لگی تھیں تو بعد میں صومیر کے ساتھ کھانا کھانے لگی وہ یونی بیٹھی رہی کھانا کھاتے ہی اس نے عمارہ اور نیلی کو اپنے اشارہ کیا۔

"ای اے اے آپ بھی آئیں مجھے اکٹھا کس کے ٹوٹس کھانے ہیں" فہرہ نے دھل انداز کی۔  
 "بھئی بیٹھو اتنے عرصے بعد یوں سب لوگ اکٹھے ہوئے ہیں" اس نے روکار رباب کو اچھی طرح پہنچا دیا اور اپنی بیٹی رہیں تو پھر انہیں کھانے کے برتن دھو کر ہی جانا پڑے گا اور یہ وہ نہیں چاہتی تھی۔

"تو آپ سب بیٹھیں ہاتھیں کر لیں آئیں ناں مجھے آپ کی مدد کی ضرورت ہے۔" اس نے بہن کا بازو پکڑ کر باہر قدم بڑھائے۔  
 "رباب کیا بد تمیزی ہے یہ سب سوچ رہے ہوں گے ٹوٹس کھانے لگی ہیں کسی کام کو ذرا بھی ہاتھ نہیں لگایا ہے" نیلی ناراضگی سے بولی۔  
 "صرف ہم نے اکیلے نہیں کھوسا ہے اور اس نے بھی کھایا ہے، کھائیں سب اور کام صرف ہم کریں یہ تو نہیں ہو سکتا یہ دعوت کھانا کسی نے ہم پر احسان نہیں کیا ہے میرے بچہ کے پیسوں پر یہ سب پیش ہو رہے ہیں" دو تھکی سے بولی تو نیلی نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا مبادا کوئی اور یہ گفتگو نہ سن لے۔  
 "کون سکھاتا ہے تمہیں یہ باتیں اگر تاپا چچا کے کانوں تک یہ بات پہنچ گئی تو رہنے کا یہ لھکا نہ بھی چمن جائے گا تمہیں ہماری مشکلات کا کوئی احساس ہے یا نہیں ای پہلے ہی بی بی کی مرافقہ میں تمہاری حرکتیں ہمارے لیے کوئی نہ کوئی بڑا مسئلہ ضرور پیدا کریں گی۔"

اس روز دو کالج سے لوٹی فہرہ بھائی ان کے اگلوتے کمرے میں بیٹھے ہوئے تھے رباب نے لٹھ مار انداز سے سلام کیا اور کھل کا پوچھا وہ

سنور روم میں تھی۔ کپڑے تبدیل کر کے کھانا لے کر وہ بھی ادھر آئی۔

”بھئی تم دونوں سے اس بے مروتی کی توقع نہیں تھی“ فہد جاتے جاتے سنور کے آگے رکا اور اندر بھاگا۔

”ہم تو ایسے ہی ہیں“ رہاب بے نیازی سے بولی البتہ کچل شرمندہ ہو گئی۔

”ایم سوری فہد بھائی یہ تو ایسے ہی کبھی رستی ہے۔“

”میں کبھی نہیں جج کبھی ہوں صرف جج“ رہاب اطمینان سے بولی۔

فہد کی نگاہیں کل کی سیدھی مائیک پر جم کر رہ گئیں اس سادگی میں بھی اس میں غضب کا رکھ رکھاؤ تھا۔

”کیا بات ہے تم دونوں ہماری طرف آتی ہی نہیں ہو“ فہد آگے بڑھا آیا۔

”کل آئی آپ کی عمر کی نماز نکل جا رہی ہے۔“ اس نے فہد کی بات کو خطر انداز کر کے بہن کو یاد دلایا تو اسے بہت غصہ آیا وہ چلا آیا جس

عزت افزائی کی اسے توقع تھی ایسا نہیں ہوا تھا جب وہ یہاں سے گیا تھا عمارہ اور کل پوری طرح اس کی ماں اور آمنہ رخصت کے قبضے میں تھیں والہی

میں اسے یوں لگا جیسے کاپلٹ مٹی ہے وہ دونوں رہاب کے قبضے میں نظر آ رہی تھیں چھوٹی اور کم سن سی رہاب کے قبضے میں جس کے بارے میں مشہور

تھا کہ وہ نفسیاتی مریم ہے وہ بہت بدلی بدلی سی لگتی تھی جب وہ یہاں سے گیا تھا وہ چھوٹی سی تھی اب تو بچی سی نہیں لگتی تھی ظاہر ہے بارہ سالہ

اور ستر سالہ رہاب میں زمین آسمان کا فرق تھا وہ جب والہس اپنے پورشن میں آیا تو اسے ماں نے روک لیا۔

”ادھر کیا لینے گئے تھے بڑی تھنی ہیں یہ ماں بینیاں“ انہوں نے بیٹے کو یاد دلایا ساتھ ہی علیہ کی سسرال والوں کے ساتھ رہاب کی بد تمیزی

کا بھی واقعہ منک مرچ لگا کر بتایا وہ سوچ میں ڈوب گیا رہاب کو دیکھ کر لگتا تھا تو نہیں تھا کہ وہ اتنے دم ختم والی ہے۔

کل تائی رقیہ کے بچن میں مصروف تھی انہوں نے ماتھے پر سلونیس ڈالتے ہوئے اسے جلدی جلدی ہاتھ چلانے کی تاکید کی اس نے چھل

فرائی کر کے ڈھانپ دی اور فیرنی پکانے لگی۔

”بڑی زبردست خوشبو آ رہی ہے“ فہد اچانک ہی آگیا تھا کل ڈرگنی تائی کی ہدایت تھی کہ فہد سے بلا ضرورت بات نہ کی جائے وہ اس سے

مخاطب ہی نہیں ہوتی تھی وہ خود ہی کھرا جاتا تھا جیسے اس وقت ہوا تھا اس نے جیسے جیسے فیرنی کی ڈیکوریشن کر کے فرنیچ میں رکھی اور باہر جانے لگی تھی کہ

فہد آگے آگیا۔

”کزن کیا بات ہے مجھے دیکھتے ہی تم کترانے کیوں لگتی ہو۔“ اس کا موڈ آف ہو گیا۔

”فہد بھائی ایسی کوئی بات نہیں ہے اور پلیز مجھے راستہ دیں“ اس کے ہتھے ہی وہ اپنے کمرے میں آگئی شکر تھا کہ تائی کو خبر نہیں تھی۔

اس روز تائی اور دونوں چچیاں کہیں جا رہی تھیں انشاں، اسامہ، عمارہ اور علیہ بھی تیار ہو رہی تھیں صومیہ بھابی اور پینا دونوں اپنے اپنے بیٹے

میں تھیں فہد کسی دوست کی طرف گیا ہوا تھا جانے سے پہلے تائی رقیہ کل کو یہ ہدایات دینا نہ بھولیں کہ فہد کے کمرے کی صفائی اچھی طرح کرنا دینا اس

کرنا دینا میں ”کر دینا“ چھپا ہوا تھا جسے وہ بخوبی جانتی تھیں چو صاحبہ تو جیسے تیسے ہاتھ مار کر چل دیتیں بعد میں اسے ہی بار کی سے تمام کام کرنا پڑتا

جس کی وہ ماہر تھی ہوم اکٹہ مکس کی تعلیم اس صورت میں اس کے کام آرہی تھی۔ امی کو بتا کر وہ فہد کے کمرے کی صفائی کرنے لگی شکر تھا کہ وہ خود گھر پر نہیں تھا رہا اب بھی سوئی ہوئی تھی اس کی تین نیچر زچہ بھی پر تھیں وہ بھی برتیرے روز چھٹی کر لیتی اور اب دن کے گیارہ بج رہے تھے وہ حرا سے سوئی ہوئی تھی شمارہ سودا سلف لینے قریبی مارکیٹ گئی ہوئی تھی گھر میں بس وہ دونوں تھیں..... فہد جلدی لوٹ آیا تھا اس کا دوست گھر پر نہیں تھا دونوں کا پروگرام باہر لچ کرنے کا تھا جو احمد کے گھر پر نہ ہونے کی وجہ سے ملتوی ہو گیا۔

کھل اس کے کمرے کی جھار پوچھ میں لگی ہوئی تھی اسے ایک عجیب سی خوشی ہوئی ”مجھے تائی اماں نے کہا تھا آپ کے کمرے کی صفائی کر دوں“ وہ سادگی سے بولی۔

”ہاں تو میں نے کب کہا ہے کہ تم میرے کنبے پر صفائی کر رہی ہو کاش کبھی تم میرے کنبے پر بھی.....“ فہد کے لہجے میں اس کی دلی خواہش بول رہی تھی۔ ”کھل جب گئے آیا ہوں تمہارا مگر یزد کچھ رہا ہوں حالانکہ اس گریز کو اچھی طرح سمجھتا ہوں پھر بھی میں چاہتا ہوں کہ تمہارا یہ رویہ بدل جائے اس لیے کہ یہی میری دلی خواہش ہے کھل آئی لو یو.....“ فہد نے دل کا بھید ظاہر کر ڈالا کھل کا چہرہ ایک دم زرد ہو گیا اگر تائی اماں یہ سن لیتیں تو اسے لفظوں کے تیروں سے چھتی کر ڈیتیں عافیت اس میں تھی کہ خاموش رہا جائے۔

”فہد بھائی میرے ساتھ ایسی باتیں نہ کریں۔“ وہ روہا نسی ہوئی تو فہد کو اس کے حال پر رحم آ گیا وہ خاموشی سے کمرے سے چلا گیا کھل جلدی جلدی چیزیں سینٹ کر آگئی۔

\*\*\*  
**ڈاٹ کام**

عطیہ کی شادی قریب تھی اس کے زیادہ تر جوڑے کل ہی سی ری تھی جو بھی دیکھتا اس کی مہارت پر حیران ہوئے بغیر نہ رہتا غمار، اساء، افشاں، حریش اور موسویک نے بھی اپنے تمام کپڑے سینے کے لیے اس کے حوالے کر دیے۔ باب نے کتنا کہا کہ واپس کر دیں ہم لو کہ نہیں ہیں جو منت میں کپڑے سی کر دیں کل نے نرمی سے اسے ٹوک دیا تھا۔

”آپ کو پتہ ہے جہاں سے یہ کپڑے سلواتی ہیں وہ ڈیزائننگ کرنے کے صرف دو ہزار لیتا ہے آپ اتنے زیادہ کپڑے ایسے ہی انہیں سی کر دیں گی“ باب نے بار نہیں مانی اور اسے سمجھاتی رہی۔

اس روز کل اساء کے کپڑے سی ری تھی۔ کالی اسٹریپ شرٹ کے ساتھ سرخ رنگ کی شلوار اور دوپٹہ تھامیں کے پلوؤں پر کڑھائی اور پھول پتی کا کام دوپٹے میں گہری کے چھوٹے چھوٹے کاٹ کر لگائے گئے تھے سائیزوں پر ہلکی ہلکی دیدہ زیب کڑھائی تھی یہ سب اس نے گھر پر کیا تھا اسی وقت مسز جواد آگئیں کل ہائی کے لائونج میں بیٹھی سلائی کر رہی تھی وہ بھی ادھر سی آگئیں۔

”کل میرا مشورہ ہے کہ تم ڈریس ڈیزائننگ کی طرف آ جاؤ تاج تمہارے تیار کئے ہوئے لمبوسات کی دھوم بج جائے گی۔ اب بی بی کو سی لے لو ایک عام سے سوٹ کی ڈیزائننگ کے پانچ سے دس ہزار لے لیتی ہے ریشمی اور لمبوسات کے سوٹوں کا پوچھو سی مت دو ہزار کے سوٹ پر ڈیزائننگ بچیں سے تین ہزار کی ہوتی ہے ہماری تمام فلم ایکٹریس اس سے کرواتی ہیں اس کے ڈریسز کی دھوم ہے حالانکہ مجھے اتنے خاص نہیں لگتے ابھی گزشتہ دنوں جو فلم ایوارڈز ہوئے تھے اس میں ہماری ٹاپ کی میرسنز نے اسی کے تیار کردہ لمبوسات پہنے ہوئے تھے وہی کپڑے اگر ہم گھر پر تیار کریں تو ہزار میں آرام سے بن سکتا ہے ویسے ریشم نے جو سوٹ پہنا ہوا تھا مجھے بہت اچھا لگا میں تمہیں سب کچھ لادوں گی مجھے سی دو گی؟“ انہوں نے لہجے میں شہ سو یا حالانکہ ابھی خود سی وہ کچھ دیر پہلے کہہ رہی تھیں کہ بی بی کے ڈریسز اتنے خاص نہیں ہوتے اور اب خود سی اسی کے تیار کردہ سوٹ کی نقل بخوار سی تھیں کل کو بذات خود بی بی کی ڈیزائننگ میں انفرادیت نظر آتی تھی ویسے بھی وہ آرٹسٹک مائنڈ تھی۔

”ٹھیک ہے مٹا دوں گی“ اس نے حامی بھری تو وہ آس پاس بکھرے دوسرے سوٹ دیکھنے لگیں دل ہی دل میں انہوں نے کل کی ذہانت کو سراہا اس نے اتنی خوبصورتی سے رنگوں کو اکٹھا کر کے چمکایا تھا اس پر ڈیزائننگ اور رنگت غصب کی تھی مکمل شرقی اور قدرے جدید انداز جھانکتا تھا۔ دوسروں کے مقابلے میں خود ان دونوں کے کپڑے انتہائی عام سے تھے نہ جانے تائی کو کیسے ان دونوں بہنوں کا خیال آ گیا تھا احساس کرتے ہوئے دو دوست انہیں بھی لادے تھے مہندی اور بارات کے لیے عمارہ نے اپنی بری میں چڑھائے گئے سوٹ نکالے جو ہیں بچیں سال پرانے یہ سوٹ کچھ کچھ اپنی چمک کھو بیٹھے تھے بہر حال نفاست اور آب و تاب دی تھی۔

کل دن رات ایک کر کے سب کے سوٹ سی ری تھی مایوں کی تقریب سر پر آئی تھی ابھی تک ان دونوں بہنوں کے کپڑے نہیں سلے تھے رات کو مایوں تھی وہ صبح سے ہی مشین لے کر بیٹھ گئی باب کا سوٹ سینے میں کافی وقت لگ گیا کیونکہ اس کا ڈیزائن توجہ مانگ رہا تھا شام چوبیس بجے کے قریب خدا خدا کر کے دونوں سوٹ مکمل ہوئے تو تائی رقیہ سے نے کل کو بلوایا تھکن سے اس کا امگ امگ چور تھا پر ان کا حکم نہ لانا بھی تو ممکن نہیں تھا۔

رہا اب بھی ادھر ہی تھی بہن کی تحن کے خیال سے وہ آگئی تھی تاکہ اس پہ کم سے کم بوجھ پڑے تاکہ اس نے اسے نظر انداز کیے رکھا اور کل کو ہی ہدایات دیتی رہیں وہ سر بلائے سنتی رہی عطیہ کے جہیز کا سامان ڈبوں میں بند کروانا تھا صوبہ اور چو بھی اس کی مدد کر رہی تھیں پھر بھی اچھا خاصا نام لگ گیا وہ ایسی پہ نکل کا یہی جی چاہ رہا تھا کہ لمبی تن کر سو جائے مگر شادی کے گھر اور ہنگامے میں یہ کس طرح ممکن تھا وہ تحن اتارنے کے لیے نہانے گھس گئی رہا اب نے اس کے اور اپنے کپڑے پر بس کئے ای تو پہلے سے ہی ادھر تھیں وہ نہا کر نگلی تو رہا اب برش اٹھا کر اس کے کیلے بالوں میں پھیرنے لگی اسے بہن پر بے اختیار غبار مٹا تھا اتنی پیاری سی آنٹی تھی اس کی ہر ایک کے کام آنے والی بے غرض اور پر خلوص سعادت مند سب کا اچھا سونپنے والی۔

”اللہ کرے آنٹی کو اتنا اچھا لڑکا ملے کہ سب مل کر دیکھتے رہ جائیں۔“ اس نے آئینے میں آنٹی کو دیکھتے ہوئے دعا مانگی۔

شادی کی تقریبات میں رہا اب اجنبیوں کی طرح الگ تھلک بیٹھ جاتی جبکہ کل ہر کام میں پیش پیش رہتی۔ اس وقت بھی مہندی کا بنگامہ عروہ پر تھا رہا اب ستون کے ساتھ کھڑی بیڑادی لگ رہی تھی کل ابھی ابھی اس کے سامنے سے گزر کر بچن میں گئی تھی چند لمحوں بعد فہد بھی اس کے پیچھے چلا گیا رہا اب کے تن بدن میں آگ سی بھر گئی تیز تیز قدم اٹھاتے اس نے بچن کا رخ کیا۔

”کل آج تم بہت اچھی لگ رہی ہو اچھا ذرا یہ بازو سامنے کرو ڈو کیوں چڑیاں کس رنگ کی پہنی ہیں“ فہد اس کا ہاتھ تھامنا چاہتا تھا۔

”آئی“ رہا اب اونچی آواز میں جیسے جیتی کل کے ہاتھ سے پیالی جھوٹ گئی فہد بھی گھبرا گیا۔

”فہد بھائی ناکی ادھر ہی آ رہی ہیں“ وہ چپا چپا کر بولی تو وہ کھسیا گیا۔

”آئی آئیں میرے ساتھ“ اس نے کل کا بازو پکڑ کر باہر قدم بڑھائے۔ پھر وہ اس کے ساتھ ساتھ رہی کسی محافظ کی طرح کل شرمندہ تھی نہ جانے رہا اب اس کے بارے میں کیا سوچ رہی تھی شرمندگی کے مارے وہ اس سے آنکھیں می نہیں ملا پا رہی تھی حالانکہ فہد کی پیش قدمی کا اس نے کبھی بھی مثبت جواب نہیں دیا اسے اپنی حیثیت اور مقام کا یہ تھا وہ خواہنا کیوں ماں اور بہن کے لیے مشکلات پیدا کرتی وہ بڑی حقیقت پسند لڑکی تھی پھر جوتی رقیہ اور ان کے گھرانے کا رویہ تھا وہ اپنی آنکھوں کو رنجوں کے مذاپ سے بچانا چاہتی تھی فہد کی باتیں دل میں لچل چا جاتیں کچھ دیر بعد وہی خاموشی ہوتی رہا اب آج عین وقت پر آگئی تھی ہو سکتا تھا کہ وہ کسی مقام پر کمرور پڑی جاتی مگر رہا اب کی آمد نے یہ غلشات بھی رفع کر دیئے تھے۔

نہ رہا اب نے اسے کچھ کہا تھا نہ اس نے صفائی دی تھی پھر بھی دونوں کے مابین ایک خاموش سا معاہدہ ہو گیا تھا۔ کل اس طرف سے گزرتی ہی نہیں جہاں فہد سے ٹکراؤ ہونے کے امکانات ہوتے رہا اب نے اسے بروقت خبردار کیا تھا۔

کل کی تمام کزنز سے شادی میں آئے لوگوں نے پوچھا کہ یہ کپڑے کون سے بوتیکس سے خریدے ہیں سبھی نے بڑے بڑے بوتیک کے نام لیے مگر رہا اب نے عطیہ کے ویسے کے دن سب کے جھوٹ کا پول کھودیا پھر بعد میں جو شرمندہ ہوئیں تو رہا اب کے جلتے دل پہ شبنم گرنے لگی تھی ہر کوئی کل کے گرد چکر لگا رہا تھا وہیں ایک ڈرامہ پروڈیوسر بھی ٹکرا گئے انہوں نے کہا کہ ہماری آنے والی تین سیرلز کے کپڑے آپ ڈیزائن کریں تو میں آپ سے معاہدہ کرنے کے لیے تیار ہوں۔

ناکی رقیہ، آمنہ چچی اور رعلت چچی کی خشکیں لگا ہیں اسے اپنی پشت میں جھپتی محسوس ہو رہی تھیں اس نے بمشکل تمام اس پروڈیوسر سے



جان چھڑائی گھر آ کر تاپا اور چچانے اسے سخت ست کہا اور فرمایا۔

”ہمارا تعلق اعلیٰ اور معزز خاندان سے ہے ہماری بیٹیاں اب ٹی وی کے لیے درزیوں کا کام کریں گی“

تائی بھی غم خوہک کر مقابلے میں اتریں۔ ”ساری کارستانی اس تاجر رعبا ب کی ہے خود ہی جس جس کرسب کو بتا رہی تھی میری آپنی نے سب کے کپڑے بنائے ہیں“ انہوں نے نقل اتاری اور طوقان کا رخ اس کی طرف موڑ دیا۔

”کیوں بھی ایسا ہی ہے“ تاپا نے اس کی طرف رخ کیا۔

”جی ہاں میں نے ہی سب کو بتایا کہ میری آپنی نے یہ سب کپڑے سئے ہیں یہ نہیں کہا کہ انہوں نے لی اسٹائل، بی جی اور ٹی جیو سے خریدے ہیں میں نے صرف بیج بولا ہے میرے پیادو رامی نے ہمیشہ بیج بولنے کی تلقین کی ہے“ وہ بہت آرام سے بول رہی تھی۔

”بائیں کیا ہم اپنی اولاد کو جھوٹ کی تلقین کرتے ہیں“ آمنہ تڑپ گئیں۔

”معلوم نہیں میں صرف اپنا کہہ رہی ہوں“ وہ اسی انداز میں بولی ان دونوں بہنوں کے جانے لگے بعد تینوں خواتین اپنے اپنے شوہروں کے سر ہو گئیں۔

”آپ نے دیکھا بابا تھ سے نکلتی جا رہی ہے ضرور کوئی نہ کوئی گل کھلا کر رہے گی، یہ کل تو منہ منی ہے پر بابا... اللہ بچائے“ وہ قطرہ قطرہ ہر انڈیل رہی تھیں۔

\*\*\*  
ڈاٹ کام

رہا ب نے ایف اے بھی شاندار نمبروں سے کیئر کر لیا تھا اب وہ آئندہ میں داخلہ لینا چاہتی تھی کچھ معلوم نہیں تھا کہ اس کے کیا ارادے ہیں اور شدہ بتاتی تھی اب اس نے کہا کہ وہ یونیورسٹی میں داخلہ لینا چاہتی ہے۔ لہٰذا۔ یو۔ ایس۔ میرٹ پر اسے داخلہ مل گیا تھا۔ اسی یونیورسٹی میں افشاں اور غمار بھی زیر تعلیم تھیں دونوں تین سال سے انگلش میں ماسٹرز کرنے کی کوشش کر رہی تھیں مگر والے کہتے تھے دونوں بہت پڑھتی ہیں پھر بھی انگریز میٹرز گزیر کر دیتے ہیں سارا الزام پردہ گرام اور انگریز میٹرز کے سر تعویپ دیا جاتا۔

رہا ب کی دوست کی بہن بھی اسی یونیورسٹی میں تھی اور اتفاق سے وہ افشاں اور غمار کی کلاس فیلو بھی تھی۔ رہا ب پوائنٹ سے گھر آتی تھی جبکہ وہ دونوں گاڑی پر آتی جاتی تھیں انہوں نے اسے کبھی سوکھے منہ بھی نہ کہا کہ تم بسوں میں دھکے کھاتی پھرتی ہو ہمارے ساتھ ہی بیٹھ جایا کرو انہیں تو اس کا یونیورسٹی میں ایڈمیشن لینا بھی اچھا نہیں لگا تھا حالانکہ رہا ب کا شعبہ اور کا اس بالکل الگ تھی۔

کھل اور غمار دونوں بازار گئی ہوئی تھیں کھل کو چھ سوٹ لینے تھے سیلنگی ہوئی تھی عمارہ نے سوچا جا کر لے آئیں ویسے بھی سردیاں تین چار ماہ بعد شروع ہونے والی تھیں وہ تو گرمیوں کے کپڑے سردیوں میں اور سردیوں کے کپڑے گرمیوں میں اوٹ مار سیل سے خریدتی تھیں کھل اپنے لیے تو نیا کپڑا کم ہی بتاتی تھی اسے زیادہ تر رہا ب کی فکر رہتی تھی جس نے اب یونیورسٹی میں ایڈمیشن لیا ہوا تھا وہاں ہر طبقے کی لڑکیاں پڑھتی تھیں وہ بہن کو ہر قسم کے احساس کمتری سے بچانے کے لیے کم قیمت کپڑا اور جوئے خرید کر لاتی اور پھر اپنی مہارت سے عام سی چیز کو خاص بنا دیتی پھر رہا ب کی فریڈز پوچھتیں یہ سوٹ کہاں سے لیا ہے؟ وہ اس کو آئی کا نام لیتی۔

”ای یہ والا سوٹ رہا ب کے لیے لے لیتے ہیں“ اس نے لائٹ پنک اور ڈار پنک ٹکڑے سوئی کپڑے پر ہاتھ رکھا عمارہ نے کچھ تذبذب کے بعد خرید لیا وہ سڑک پر کھڑی کسی تانکے کا انتظار کر رہی تھیں کھل تنگ آ کر گھومی اور پیچھے بنی ڈکانوں کے نام پڑھنے لگی یہ دو منزلہ مارکیٹ تھی اوپر مختلف کمپنیوں اور اخبار کے دفاتر تھے اس نے ایسے ہی ایک دفتر سے رہا ب کو جھٹکے دیکھا اس کے ساتھ ماریہ تھی رہا ب کی فریڈ، سو فیصد وہ دونوں ہی تھیں اس سے پہلے کہ وہاں کو متوجہ کرتی وہ دونوں غائب ہو گئیں کھل الجھ سی گئی ان دونوں کا اخبار کے دفتر میں کیا کام تھا؟ اور یونیورسٹی نام میں وہ یہاں کیا کر رہی تھیں۔ اسے شدت سے واپسی پر رہا ب کا انتظار تھا یہ یقین تھا کہ وہ کوئی ایسی دلی لڑکی نہیں ہے ساتھ ماریہ بھی تھی دل کو ڈھارس ہی تھی۔ رہا ب یونیورسٹی سے کافی دیر بعد لوٹی آج اس کی چال میں نشہ سا تھا دونوں ماں بیٹی چمک گئیں اس نے بیگ اور فائل آتے ہی پھینکا اور بستر پر گر کر سٹکٹانے لگی۔

ہے جذبہ جنوں تو ہمت نہ ہار

جنتو جو کرے وہ چھوئے آسمان

”آج بہت خوش لگ رہی ہو کیا لاٹری نکل آئی ہے۔“ کھل نے گہری لگا ہوں سے اسے جانچا۔

”ہاں لاٹری ہی نکل ہے“ یہ کہہ کر وہ بیگ کو الٹ پلٹ کرنے لگی اس کے ہاتھ میں نوٹوں کا ایک سوٹی سی گڈی دہی ہوئی تھی کھل اور عمارہ

دونوں کے دل کسی وحشت ناک خیال سے دھڑکے۔

”کہاں سے اتنے روپے لائے ہو تم“ عمارہ کا لہجہ ایک سخت گیر ماں کا لہجہ تھا رہا باب نے کوئی پروا نہیں کی۔

”رہا باب کہاں سے آئے ہیں یہ پیسے“ اب کے عمارہ کڑک کر بولیں تو رہا باب کے چہرے پر تاریک سا سایہ لہرایا۔

”امی یہ میری پورے دو سال کی محنت کا معاوضہ ہے میں اخبار میں کالمز اور آرٹیکل لکھتی ہوں ایک دو منچر بھی لکھے ہیں کالج میں داخلہ لیتے ہی میں نے یہ کام شروع کر دیا کیونکہ میری ٹیچرز کبھی تمہارے اندر لکھنے کی قدرتی صلاحیت ہے میں نے راتوں کو جاگ جاگ کر یہ کالمز اور آرٹیکلز لکھے ہیں روزنامہ آواز کے ایڈیٹر نے شروع میں مجھے معاوضہ دیا تو میں نے کہا کہ میں اکٹھا دو سال بعد لوں گی تاکہ کچن آبی کے جینز کی کوئی چیز بن جائے آپ ماریہ سے پوچھ لیں میں اس کے ساتھ ”آواز“ کے دفتر چلی جاتی۔“ رہا باب کی آواز میں فی در آتی جیسے یہ بات اسے برداشت نہ ہو رہی ہو کہ ماں اور بہن دونوں اسے شک کی نگاہ سے دیکھ رہی ہیں۔

ط

”ماریہ سے کیوں پوچھوں میں نے خود تمہیں دیکھا تھا“ کل نے شرمندہ سے لہجہ میں کہا عمارہ نے جھپٹ کر اسے سینے میں چھپا لیا تھا۔

”میری بچی میرا چاند“ وہ اس کے منہ ہاتھوں اور بالوں پر اپنی محبت کی جھریں کر رہی تھیں ان کے آنسوؤں سے رہا باب کا چہرہ بیگ گیا تھا، وہ پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھیں انہیں کیا خبر تھی کہ جس رہا باب کو وہ لاپرواہ اور کھٹکندہ رہی سمجھتی ہیں، وہ اتنی حساس نکلے گی راتوں کو کالج کی پڑھائی کے بہانے اخبار کے لیے لکھتی ہوگی انہیں معلوم تھا کہ دو رات ایک ایک دو بجے تک بستر سے دور جاتی ہے، اور پھر صبح اٹھتے ہی کتاب کھول لیتی ہے تاکہ اس کی پڑھائی کا حرج نہ ہو مگر کی تمام لڑکیاں ان کے سامنے چلی بڑھی تھیں ٹی وی، فلم، وی بی آر، پنک، پارٹیس اور میوزک کے علاوہ انہیں کوئی کام ہی نہیں ہوتا تھا جو وقت بچتا رہے بندھے چڑھتیں یا پھر حسن کے ہتھیاروں کو تیز کر تیں کسی خوش باش تھیں یہ افشاں، عمارہ اور سامندہ کوئی گھر نہ کوئی بوجھ، کھلے کھلے چروں اور ابلے ابلے لباسوں میں تنگی کی طرح اڑتی پھرتیں کتنی روئی تھی ان کے بے فکر چہروں پر۔

انہوں نے غور سے رہا باب کا چہرہ دیکھا گندمی رنگت کی آمیز لیے کتنا مطمئن اور سرور لگ رہا تھا انہیں اپنی بیٹی کے چہرے پر چٹانوں سا عزم نظر آیا اس کی آنکھیں مسکارے اور کا جل کے بغیر بھی کتنی صاف اور شفاف لگ رہی تھیں۔ اس نے کوئی بھی اسپورٹس پر فیم نہیں لگایا ہوا تھا پھر بھی اس کے بلبوس سے کیسی اپنی اپنی اور پاکیزہ وی خوشبو آ رہی تھی اس کے جسم پہ قیمتی سوٹ نہیں تھا پھر بھی وہ اتنی ہادوا لگ رہی تھی اس کی انگلیوں میں کوئی بھی ہیرے یا سونے کی انگلی نہیں تھی اس کے ہاؤ جوبھی اس کی انگلیاں اور ہاتھ کتنے خوبصورت لگ رہے تھے اس کی انگلیاں قم جیسی طاقتور چیز کو تھام کر کتنا حسین لگتی ہوں گی۔ عمارہ نے سوچا تھا۔

”امی بس کریں مت روئیں“ کل نے دونوں کو الگ کیا وہ ابھی بھی مضمون ہی بیٹھی ہوئی تھیں رہا باب کپڑے تبدیل کرنے چلی گئی تھی۔

”کل یہ پیسے رکھ لو ستارہ کو دے آؤں گی ایک دو انگوٹھیاں تو بنیں ہی جائیں گی“ وہ سوچ میں تم تھیں کل کچھ کہے بغیر اٹھا کر اندر آ گئی۔

آج افشاں اور عمارہ نے اسے زبردستی اپنی گاڑی میں بٹھالیا تھا وہ اس نوازش پہ حیران تھی۔

”رہا باب آج ہم زرا دیر سے آئیں گے کل کی برتھ ڈے ہے تم بتا دینا ہم تمہیں اگلے شاپ پر اتار دیں گے مائنڈ مت کرنا“ عمارہ معصومی

عاجزی اور شرمندگی سے بولی۔ شاپ پہ اترتے ہوئے دو طرحدار اور ماڈرن لڑکے گاڑی کی طرف بڑھے تھے۔ ”اشی کب سے انتظار کر رہا ہوں“ شاپ پر کھڑی رہا ب کی سماعتوں نے یہ آواز بخوبی سن لی تھی یوں بھی درمیان میں زیادہ قاصد نہیں تھا۔ ”بھٹو“ اس نے بیک ڈور کھولا تو دونوں پیٹھ گئے چند لمحوں بعد ہی گاڑی ٹریفک کے بہاؤ میں شامل ہو گئی۔

دوسرے روز غمار نے چو کے ذریعے اسے ضروری بات کرنی ہے کہہ کر بلایا آس پاس امی اور آپلی نہیں تھیں ورنہ حیران ہوتیں کہ غمار نے کیا ضروری بات کرنی ہے۔ اندر داخل ہوتے ہی افشاں اور غمار کمر پھر کر تکی نظر آ گئیں۔

”ادھر بھٹو“ افشاں نے اسے درمیان میں بٹھا لیا رہا باب سوچ رہی تھی نہ جانے کوئی بات ہے۔ ”رہا باب یہ کچھ پیسے ہیں رکھ لو کوئی سوٹ ووٹ خرید لیتا“ افشاں نے اس کی منگی میں دوسرے نوٹ زبردستی دبائے۔

”آپنی میں نے ان کا کیا کرنا ہے رہنے دیں مجھے ضرورت نہیں ہے“ اس نے مٹھی کھولے بغیر اس کی طرف پڑھا کی۔

”ارے لے لو چھ ہزار ساتھ دو گی تو پیش کر دی“ غمار بولی تو وہ کھڑی ہو گئی مٹھی میں دبے پیسے اسے سرسرااتے ناگ لگ رہے تھے وہ جلد از جلد جان چھڑانا چاہتی تھی۔

”چھ ہزار کی کرن نہیں ہو، کیوں دل توڑ رہی ہوں مان جاؤ ناں“ غمار نے اس کی غصہ کی چھوٹی تو وہ مجبور ہو گئی دل اندر سے کہہ رہا تھا واپس کر دے یہ ٹھیک نہیں ہے مگر وہ دونوں کے آگے ہار گئی واپس آ کر ٹریک کھول کر اس نے پیسے سب سے ٹکلی میں پیچک دیئے اسے اب کچھ سکون ہوا تھا۔ تین ساڑھے تین منٹ بعد غمار اور افشاں پھر کسی دوست کی برتھ ڈے میں جا رہی تھیں اسے پیغام دے کر وہ پہلے کی طرح اسے شاپ پر اتار کر چلی گئیں۔ اب ان دونوں کا رویہ رہا باب کے ساتھ دوستانہ ہو گیا تھا دونوں خود ہی ان کے پورشن میں آ جاتیں، رہا باب نے دیکھا کئی بار افشاں یا غمار نے جاتے وقت کچھ نوٹ امی کی مٹھی میں زبردستی دبائے۔ امی بھی حیران تھیں اس کا پلٹ پر جب تین چار بار مسلسل ایسا ہوا کہ دونوں نے ہر بار انہیں پیسے دیئے تو وہ بازار جا کر دونوں کے لیے ایک ایک سوٹ خرید کر لے آئیں پلٹ لے کر وہ دونوں کو گفٹ کر دیا اصل میں ہمارا احسان اٹھانے کی قائل نہیں تھیں انہوں نے اس مگر میں ذلت، تمسخر اور حقیر کے دو وہ انداز دیکھے تھے کہ اب ہر قسم کی چاہت اور غلوں سے ان کا دل اٹھ گیا تھا۔

”رہا باب رات کو چاہو آ جا نا مل کر غڈی کریں گے“ آج بھی وہ آپلی تھیں اور جاتے جاتے اسے اپنے ساتھ پڑھا کی کرنے کی پیشکش بھی کر گئیں لفظ ”غڈی“ پہ خاصا زور دیا گیا تھا۔

”آپنی میرے سر میں درد ہے میں آج نہیں پڑھوں گی۔“ اس نے انکار کر دیا۔ رات کو جب وہ کتابیں اٹھائے شور و دم میں جانے لگی تو ہمارا نے یونہی پوچھ لیا۔ ”تمہارے سر میں تو درد تھا۔“

”بس اب نہیں ہے“ وہ اندر چلی گئی تو وہ الجھ سی گئیں نہ جانے افشاں اور غمار کیوں اتنا التفات برت رہی تھیں کیوں اپنے ساتھ پڑھا کی کرنے کی بات کر رہی تھیں اور رہا باب نے سر درد کا بہانہ بنا کر کیوں انکار کیا تھا جانے اس میں کیا راز تھا۔

افشاں اور خمار نے آج پھر اسے اپنی گاڑی میں بٹھایا تھا آج اس کے ساتھ وہی ایک سمارٹ سائڑ کا تھا اسی روز والا، بیک سیٹ پر باب اس کے ساتھ اکیلی بیٹھی ہوئی تھی تھوڑی دور جا کر گاڑی رکی اور اس روز والا دوسرا لڑکا بھی بیٹھ گیا اس کی آنکھوں میں عجیب سی سرخی تھی دو لڑکوں کے ساتھ کھلی سیٹ پر اکیلے بیٹھنا باب کو اچھا نہیں لگ رہا تھا اس نے ڈرائیو تک کرتی خمار کا شانہ ہلایا۔

”آپنی میں ادھر نہیں بیٹھوں گا آپ میں سے کوئی میری جگہ آ جائے یا مجھے ادھر ہی اتار دیں میں چلی جاؤ گی۔“ اس کے لہجے میں ضد تھی افشاں پیچھے آ گئی اور وہ آگے چلی گئی مگر میں سے اس نے دیکھا کہ افشاں مزے سے دونوں لڑکوں کے درمیان بیٹھی ہوئی ہے۔

”ان کا تعارف نہیں کراؤ گی“ جولا کا بعد میں سوار ہوا تھا وہ بولا۔

”یہ میری کزن باب اسد کمال ہے ہے اے آرزو فرسٹ ایئر میں ہے“ افشاں نے ہی تعارف کروایا۔ باب نے شکر کیا جب اس کا مطلوبہ شاپ آیا۔ اسے ہدایات دیتی خمار زن سے گاڑی نکال کر لے گئی۔

پھر ایک روز خمار اور افشاں ان دونوں لڑکوں کے ساتھ اس کے ڈیپارٹمنٹ چلی آئیں اور اسے زبردستی کیفے ٹیریا لے گئیں باب کو بے حد شرمندگی محسوس ہو رہی تھی باقی نہ جانے اس زبردستی سے کیا محسوس کر رہے تھے۔

”مسز باب آپ سے دو پروا ملنے کی بڑی تمنا ہے کسی روز چلیں میں ہمارے غریب خانے پر افشاں اور خمار کے ساتھ“ وہی سمارٹ سائڑ کا بولا۔

”مضمحلہ پہلے میں تعارف کروا دوں یہ خاور ہے اور یہ جنید ہے۔ جنید کا مران گروپ آف انڈسٹریز کے پارٹنر ہیں، خاور ان کے کزن ہیں“ خمار نے تعارف کرایا باب نے کوئی دلچسپی نہیں لی۔

”میری اگلی کلاس کا ٹائم ہو رہا ہے میں چلتی ہوں“ وہ اٹھ آئی وہ چاروں ارے ارے کرتے رو گئے۔

”توبہ بڑی مغرور ہے تمہاری کزن“ خاور بولا۔

”خود کو توپ شے تصور کرنے لگی ہے منہ کیا لگا لیا ہے آسمان پر اڑنے لگی ہے“ افشاں نے نفرت سے ہونٹ سکڑے۔

”انہیں بھی اپنے گروپ میں نہ شامل کر لیں، شانی بھی امریکہ سے آیا ہوا ہے اسے تمہاری کزن جیسی لڑکیاں بڑی پسند ہیں مزار ہے گا۔“

جنید نے تجویز پیش کی جو دونوں کو بالکل اچھی نہیں لگی۔ انہیں سراسر اپنی توہین محسوس ہوئی تھی وہ دونوں لڑکیوں کی ناپسندیدگی کو تاڑ گئے۔

”اس میں ہمارا تمہارا فائدہ ہے، انہیں شامل کرنے سے تمہیں آسانی رہے گی۔“ اس نے نئی چال چلی تو دونوں نے اطمینان کی سانس لی۔

انہوں نے اگلی ملاقات پر شانی کو بھی بلا لیا وہ اس زوردار تجویز پر پھڑک گیا افشاں اور خمار آج جلدی چلی گئی تھیں وہ تینوں ہی بیٹھے تھے۔

”میں ملا ہوں ان کی کزن سے کیا زوردار چیز ہے، دور سے ہی کرنٹ مارتی ہے قریب آنے پر جانے کیا حال ہو، وہ آئیکل سائنز کا دنیا کا

شاہ ہے یار وہی والا۔

”نہیں ملے تو یہ حالت ہے چھو کے کہیں مرنے جاؤں۔“

خاور نے اسے یاد دلایا شانی نے سر ہلایا۔

”واقعی ایسی ہے تو پھر طواؤں و دیکھوں گا کرنٹ کیسے مارتی ہے“ اس نے آنکھ دھائی۔

”وہ بہت کم عمری ہے یہ افشاں اور غمار تو“ ”کچی کچی“ سی لگنے لگی ہیں پہلے والی بات ہی نہیں رہی ہے پر ان کی کزن آئی سویر بڑی انویسٹ اور کچی کچی کی طرح ہے“ جنید نے تعریف کی۔

”اور تمہیں تو پتہ ہے مجھے کیا لگتی پسند ہیں“ دانش نے دونوں کے زانوؤں پر ہاتھ مارا تو تینوں ہنسے لگے۔

”پھر کب طوار ہے جو“ دانش عرف شانی بے قراری سے بولا۔

”اگلا مال آئے تک اس سے پہلے ممکن نہیں ہے افشاں اور غمار بھی محتاط ہو گئی ہیں“ خاور نے تکیہ کیا بتایا۔

آج افشاں اور غمار صبح رباب کو خود لے کر یونیورسٹی گئیں۔ وہ پریٹن سی ہو گئی، کیونکہ گاڑی یونیورسٹی والی سڑک پر نہیں چل رہی تھی۔

”ذرا ٹھہرو نہیں ابھی آتی ہوں مجھے ذرا لگی سے کام ہے۔“ غمار نے اس جدید کالونی میں بنے ایک پتھلے کے آگے گاڑی روکی تو وہ اور بھی

پریٹن ہو گئی حالانکہ ابھی صرف آٹھ۔۔۔ بجے تھے پہلا جریڈ نو بجے ہوتا تھا چھ منٹ بعد غمار واپس آ گئی اور ان دونوں کو بھی اترنے کا اشارہ کیا تا چار

افشاں کے ساتھ وہ بھی باہر آ گئی۔ ”کلی آئندہ بلا رہی ہے“ اس نے بتایا۔ ان کے پیچھے پیچھے وہ بھی اندر آ گئی، کمروں کی حالت سے یوں لگ رہا تھا جیسے

یہاں عورت کا وجود ہی نہیں ہے مگر غمار تو مسلسل کچی لگی کئے جا رہی تھی اور پھر کچی کو بھی اس نے دیکھ لیا تین لڑکوں کے درمیان بیٹھی کندھوں تک تراشیدہ

بالوں اور سرخ سرخ آنکھوں والی یقیناً لڑکی کچی ہی تھی رباب، خاور اور جنید کو دیکھ کر چونک گئی وہاں ایک اجنبی شکل بھی تھی۔

”بائے آئی ایم کچی اینڈ ہی از مانی براڈرز جنید خاور اینڈ دانش“ اس نے اک ادا گئے تعارف کر پایا۔

رباب کو جان کر ڈھارس سی ہوئی کہ تینوں لڑکے اس کے بھائی ہیں وہ دیکھ رہی تھی کہ لڑکے بہن کی موجودگی میں مودب بنے بیٹھے ہیں وہ

تینوں باتوں میں لگ گئیں رباب ہزار ہا محسوس کر رہی تھی اجنبی صورت لڑکا اس کی ہزار ہا محسوس کرتے ہوئے اس کی طرف متوجہ ہوا۔

”پرہمتی ہیں آپ“ شانی نے اس کے سادہ و جید مکھڑے کو دیکھا۔

”جی ہاں بی اے آئندہ کر رہی ہوں“ اس نے اعتماد سے بتایا۔

”آپ کو دیکھ کر لگتا تو نہیں ہے کہ آئندہ کر رہی ہیں سچ شکل سے تو بمشکل میٹرک کی سٹوڈنٹ لگتی ہیں“ اس نے سچائی سے بتایا واقعی وہ بڑی

دھان پان اور نازک سی تھی چہرے پر بھی بھولپن اور معصومیت تھی ابھی گزشتہ ماہ ہی تو وہ پورے افکار و برس کی ہوئی تھی کوئی گندی سوچ اسے چھو کر نہیں

گزری تھی کردار کی چمک اور مہربانی چہرے سے عیاں تھی۔

”واقعی یہ تو بیان کی گئی تعریف سے بھی زیادہ زبردست ہے۔“ شانی دل میں بولا۔ پھر رباب نے ہی بار بار ”انہیں ناں“ کی رٹ لگائی تو

افشاں اور غمار نے چار لگی سے اجازت لے کر آ گئیں۔

تائی رقیہ نے اپنے ہم پلہ گھرانے میں فہد کا رشتہ طے کر دیا تھا۔ آمنہ اور رقت دل سے ناراض تھیں کہ کیا بھائی کو ہماری بیٹیاں نظر نہیں آئیں مگر انہوں نے کھل کر ناراضگی کا اظہار نہیں کیا غماز، اسماء اور افشاں کے رشتے کی بات رقیہ نے ہی کہیں جانے والوں میں چلائی ہوئی تھی وہ پورے گھر پر حاوی جو تھیں کسی کی مجال نہ تھی کہ چوں بھی کر تباہیادی طور پر انہوں نے حاکمانہ حراج پایا تھا سو دیوانیاں خاموش تھیں۔

فہد نے اس رشتے کے طے ہونے پر کوئی سرگرمی نہیں دکھائی وہ بھاسا رہتا تھا باقاعدہ طور پر اس کی منگنی ایرج سے کر دی گئی گھر میں وہی ایک کنوارہ تھا رقیہ اس فرض سے بھی جلد سبکدوش ہونے کی فکر میں تھیں۔ ایرج کا گھرانہ کاروباری تھا فہد کا مستقبل خوب روشن تھا اس کے سر کی کٹی کٹی فیکٹریاں چل رہی تھیں اس نے اپنے شیراز مختلف کمپنیوں میں لگائے ہوئے تھے جس جس کمپنی میں اس کے شیراز تھے اس کمپنی کے ریٹ آسمان سے باتیں کر رہے تھے حقیقی معنوں میں وہ روپوں میں کھیل رہا تھا فہد کا وہاں رشتہ ہونے کا مطلب تھا چھڑی اور دو دو کیونکہ ایرج کے نام کافی جائیداد تھی، ہائی نیشل کمپنی سے حاصل ہونے والی تمام آمدنی ایرج کے بینک اکاؤنٹ میں جمع ہوتی تھی۔

رقیہ اور عطیہ عریضہ کے تو قدم زمین پر نکلی ہی نہیں رہے تھے صوفیہ بھائی ریحان کی پسند تھیں اگرچہ وہ بھی لمبا چوڑا چیز لائی تھیں پر ان کا پس منظر دیہاتی تھا ساس سے وہ اچھا خاصا دھنی تھیں ایرج کے مقابلے میں ان کی حیثیت صفر تھی آج کل تو ایرج کے ہی گن گائے جا رہے تھے اس کی جائیداد اس کا بینک بیلنس اس کا حسن اس کی انکس کا ہی تذکرہ تھا وہاں بیٹس ابھی سے ایرج کی ان اصول خوبیوں پر مری جا رہی تھیں مرنے کیوں نہیں اتنی زبردست بھائی ملی تھی۔

رقیہ کی کوششوں سے اسماء اور افشاں کا رشتہ بھی ایرج کے جاننے والوں میں ہو گیا تھا وہ لوگ ایرج کے باپ کے اسٹینس سے بہرہ حال کم تھے۔ رقت اور آمنہ ان رشتوں پر خوش نہیں تھیں اپنی بیٹیوں کے لیے تو اتنے امیر گھرانے چنے تھے اور افشاں اور اسماء کے لیے عام سے لڑکے پسند کئے تھے جن کے پاس لمبی چوڑی جائیداد بھی نہ تھی اور رتبے بھی ایک سو بیس گز کی کوٹھی میں تھے وہ دونوں نے دہلی دہلی زبان میں پسندیدگی کا اظہار کر ہی دیا رقیہ کے تو چھٹے لگ گئے یوں یہ رشتہ ختم ہو گیا فہد کے سسرال والوں نے بھی اس سلسلے میں پسندیدگی کا اظہار کیا مگر پھر رقت رقت حالات معمول پر آ گئے تائی رقیہ ایک بار پھر لڑکیوں کے لیے رشتہ ڈھونڈنے میں سرگرم عمل ہو گئیں۔ اس دوران انہیں ایک بار پھر کل کا دھیمان نہیں آیا جو خیر سے افشاں اسماء کی ہم عمر تھی جو کچھ کرتا تھا ہمارے ہی کرتا تھا وہ واقعی کل کی طرف سے فکر مند تھیں، کل پچیسویں سال میں تھی ابھی تک ایک رشتہ بھی نہیں آیا تھا ان کی پریشانی فطری ہی تھی مشرقی معاشرے میں مائیں لڑکیوں کے پیدا ہوتے ہی جیڑ بننا شروع کر دیتی ہیں اس حساب سے تو کل کی کافی عمر ہو گئی تھی پھر باب بھی تھی جو کل سے کافی چھوٹی تھی پھر اس کی شادی بھی کرنی تھی ہمارے کو زیادہ پریشانی اسی کی تھی کیونکہ وہ نفسیاتی سرینہ کے نام سے مشہور تھی سب کے رویے بھی سامنے تھے ان کی بیٹیوں کا کسی کو بھی دھیان نہ تھا۔

ایک دن سز جوا کل کے پاس آئی ہوئی تھیں۔

”تم ایسے کرو یہ کپڑے ڈیزائن کروہ میری ایک جاننے والی ہیں ان کا بلیک ہے میں وہاں رکھوا دوں گی کچھ ملاقاتی ڈریس بھی، ذرا جدید

طریقے سے تیار کر بیوی صنعتی نمائش میں سناں لگا لیں گے۔ انہوں نے اس کے کتے کپڑوں کا ڈھیر سا رکھ دیا نکلے مان لیا کہ وہ تمام کپڑے تیار کر دے گی۔  
 کچل بڑی آرٹسٹک اور تخلیقی ذہن کی مالک تھی عام سی چیزوں کو بھی وہ سلیقے سے کارآمد بنا لیتی تھی۔ ان کے گھر کے واحد کمرے میں عید  
 کا رُز سے نئی مینگو تھی ہوئی تھیں یوں لگتا تھا یہ کسی ماہر مصور کی کاوش ہے مگر سارا اکمال کچل کا تھا۔ کپڑوں کی سلائی کٹائی کے لیے اس نے کوئی کورس  
 نہیں کیا گھر میں ہی عمارہ سے سب کچھ سیکھا۔ کچل نے دن رات ایک کر کے تمام سوٹ مکمل کئے اور مسز جواد کو بھجوا دیئے وہ ایک ہفتے بعد انہیں تو فونوں  
 کی موٹی سے گندی اسے تھمائی اس کے تیار کردہ بلبوسات بک گئے تھے اب انہوں نے ایک تجویز اس کے سامنے رکھی۔

”میں تمہارے بلبوسات کی مقبولیت دیکھتے ہوئے اپنا ذاتی بونیک کھولنے کا پروگرام بنا رہی ہوں، اس کے لیے میں نے کچی آبادیوں میں  
 جا کر کچھ ہنرمند عورتوں سے بھی رابطہ قائم کیا ہے وہ نہایت کم معاوضے پر کام کرنے کے لیے تیار ہیں میں نے سلائی مشینیں بھی خرید لی ہیں گھر کا بال  
 خانی کروا کر اسی مقصد کے لیے تیار کیا ہے تمہارا کام بس یہ ہوگا کہ تم ڈیزائننگ کرو گی وہ عورتیں سمجھیں گی، جب ہمیں زیادہ اور ڈیزائننگ کے تو تمہارا  
 معاوضہ بھی بڑھتا جائے گا کافی اچال ایک عام لباس پر تمہارا معاوضہ دو سو روپے ہوگا۔ ایک عام ریشمی لباس پر دو سو روپے سے فینسی سوٹ پر تین سو  
 روپے اور کاہار سوٹ پر پانچ سو بیس گے ہم برائیڈل ڈریس بھی تیار کریں گی اسی حساب سے معاوضہ طے کریں گے“ انہوں نے بتایا۔  
 کچل کو اتنے زیادہ معاوضہ کان کر ہی حیرت ہو رہی تھی انہوں نے اس کی حیرت بھانپ لی۔

”ہم یہ یونیکس بائی کلاس کی اینڈر کے لیے کھول رہے ہیں جو ایسے مہنگے بلبوسات خریدنے کی بہت استطاعت رکھتی ہیں ابھی تو یہ ابتداء  
 ہے بعد میں دیکھنا ہم تمہاری صلاحیتوں کو کیسے کیسے استعمال کرتے ہیں۔“ مسز جواد محبت سے ہنسیں۔ کچل نے روزانہ دو گھنٹے کے لیے مسز جواد کے گھر  
 جانا شروع کر دیا سب نے اس پہ ٹھہر کر دیکھا کہ کس دے تھے مگر وہ جو صلے سے برداشت کر گئی تھی۔

تمام لڑکیاں ذہین تھیں کچل کو زیادہ سمجھانے کی ضرورت نہیں پڑتی تھی وہ قاتلوں سے مجبور عورتیں اور لڑکیاں ایک ایک ہزار ماہوار کو محنت غیر  
 مترقبہ تصور کر رہی تھیں کچل کو ان کی محنت کے مقابلے میں یہ معاوضہ نہایت معمولی لگا ہر عورت مہینہ گھر میں تیس لباس تیار کرتی تھی گویا تیس سوٹوں کی  
 سلائی کا صرف ایک ہزار معاوضہ تھا اسے سچی محسوس سا ہوا اگلے ماہ یہ معاوضہ بڑھا دیا گیا مسز جواد کو بھی اس کا احساس ہو گیا تھا کہ معاوضہ کم ہے ان  
 کے بونیک کا افتتاح دھوم دھام سے ایک مشہور ادارہ کارہ کے ہاتھوں ہوا۔ ایک ماہ کے بعد تسلی بخش آمدنی ہوئی تھی دوسرا مہینہ اس سے بھی بہتر ثابت ہوا  
 دو گنی سہل ہوئی کارنگر عورتیں کام کرتی تھیں تاکہ کسٹمر کو لباس میں کوئی کمی بیشی نظر آئے تو موقع پر ہی دور کی جاسکے یہ بونیک ایک مہنگے کرشل ایریے میں  
 تھا جو بہت جلد قبول ہونا شروع ہو گیا کچل کا معاوضہ بھی بڑھتا جا رہا تھا اس کا اثر گھر پر بھی پڑا رہا اب تو ہر ملاکتی ہمیں کوئی اور مکان دیکھ کر شفت ہو جانا  
 چاہیے، ویسے بھی وہ اس پوزیشن میں آگئے تھے کہ کرائے کا مکان یا آسانی افورڈ کر سکتے تھے مگر عمارہ کو یہ گوارا نہ تھا کیونکہ ان کے جیٹھ یہ پسند نہ کرتے  
 سو وہ خاموش تھیں رہا اب کی کبھی حوصلہ افزائی نہیں کی، عمارہ نے چپکے چپکے کچل اور رہا اب کے لیے کئی چیزیں خرید ڈالی تھیں۔

رات کو وہ تینوں بیٹھی کھانا کھا رہی تھیں جب تائی اماں اور دونوں چچیاں ان کی طرف چلی آئیں۔

”خوب اب تو گویا بن برسنے لگا ہے اس گھر میں“ انہوں نے چاروں طرف تنقیدی نگاہیں دوڑا کر طر کیا عمارہ کھانا چھوڑ کر اٹھ کھڑی



ہوئیں، اسد کی موت کے بعد انہوں نے آج پہلی بار یہاں قدم رکھا تھا ان کے لیے یہ کسی اعزاز سے کم نہ تھا کل بھی ہاتھ صاف کرتی اٹھ کھڑی ہوئی۔  
 ”آئیے ناں بیٹھیں بھائی“ عمار کی دلی کیفیت چہرے سے عیاں تھی۔

”بھئی کل کون سا خرّ نہ ہاتھ لگ گیا ہے جواب ادھر ہاری طرف جھاگتی تک نہیں ہو۔“ آمنہ نے تاک کر تیر مارا۔  
 ”بس چچی بوتیک میں مصروف ہوتی ہوں“ وہ مجرموں کی طرح سر جھکائے ہوئے ہوئی۔

”کیوں“ رقیہ کا سوال بڑا کڑا تھا اس کے پاس زبردست سا جواب تھا پر اس کی زبان تالو سے چپک جی تو گئی۔

”چچی اماں اور تائی اماں میں بتاتی ہوں کہ کیوں، اس لیے کہ تانیا ابابا ہمیں جو ہر ماڈر حائلی تین ہزار روپے دیتے ہیں اس میں تو میرا خرچہ بھی پورا نہیں ہوتا پر میری صابر ماں اور بہن اپنے سلیقے سے اخراجات کو سنبھالے ہوئے ہیں کل کل آپنی کی شادی بھی کرنی ہے ان اڈ حائلی تین ہزار کو ہم کھائیں یا آپنی کا جہیز بنائیں یا پھر امی کی دواؤں پر خرچ کریں بتائیں ناں آپ“ رباب کھانا چھوڑ کر سامنے آ گئی۔ وہ تینوں کو ہکا بکارہ گئیں انہیں رباب سے اس صاف گوئی کی توقع نہیں تھی۔

”اے جی ہم نے بھی گھر چلائے ہیں، تمہاری ماں دنیا سے نکالی تو نہیں ہے“ رقیہ سے برداشت نہ ہوا بول پڑیں۔  
 ”تائی ناں آپ نے لاکھوں میں گھر چلایا ہے تین ہزار میں چلا کر دکھائیں تو مانوں“ وہ بے خوفی سے ان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولی۔  
 ”اے یہ سیدہ حاسدہ! اخرام ہے، آئیں زابہ بتاتی ہوں میں انہیں ماں کی فیکٹری بھی سنبھالو اور ہاتھیں بھی ستور رقیہ نے پھانسا حیرت منگال کیا۔  
 ”دے دوں گیں پاؤ آف اتارنی ہمیں واپس ہم سنبھال لیں گے“ وہ اسی ٹیون میں تھی۔

”اے خدا قیامت کیوں نہیں آ جاتی، یہ سب کچھ دیکھنے سے پہلے میں مر کیوں نہیں گئی۔“ رقیہ نے مجال پینے تو عمارہ اور کل گھبرا گئیں۔  
 ”آئیں زابہ کہتی ہوں دو گھنڈر فیکٹری ان کے حوالے کرو۔“ رقیہ پر بے ہوشی طاری ہو گئی عمارہ نے ان کے کلوے دبانے شروع کر دیئے  
 کل بھاگ کر پانی لے آئی۔

”نری اداکاری“ رباب پراتا سا بھی اثر نہیں ہوا منہ بتاتی ہو باہر چلی گئی اتنے میں تانیا اور چچا بھی ادھر آ گئے رقیہ کو یوں غڈ حال دیکھ کر پریشان ہو گئے آمنہ نے تفصیل بتائی۔

”بھائی تو کبہ رہی تھیں کہ کل ایک اہلی خاندان کا خون ہے یوں بوتیک پر بیٹھے دیکھ کر لوگ کیا سوچتے ہوں گے ہم مروت نہیں گئے ہیں جو انہیں کھانا نہ سکیں پر رباب بی بی نے تو وہ دودھ باتیں کی ہیں کہ الاماں، کہتی ہے کہ فیکٹری کا سارا پیسہ آپ کھا گئے ہیں تو بہ تو بہ بھائی جان کیا زمانہ آ گیا ہے۔“ یہ جھوٹ بولتے ہوئے آمنہ ایک جاٹل اور مکار عورت لگ رہی تھیں۔

”چچی مت جھوٹ بولیں یہ آپ کے مرتبے کو زیب نہیں دیتا،“ رباب اندر آ گئی تھی تانیا نے ایک بار اسے دیکھا۔

”جی تم بھی مجھے ایسا سمجھتی ہو کہ میں تمہارے باپ کا پیسہ کھا رہا ہوں، ابھی میرے ساتھ آفس چلو خود سارے حسابات چیک کر لو گیارہ سالوں میں اس فیکٹری پر میرا تقریباً آدھا سرمایہ خرچ ہوا ہے فیکٹری اب بند پڑی ہے میں اپنی جیب سے تمہارے اخراجات پورے کر رہا ہوں۔“

مارے رنج کے تاپا کالچہ بھی بھرا گیا۔

”رہا باب دور ہو جاؤ میری نظروں سے، میں نے تو تمہاری تربیت اس بیچ پر نہیں کی کہ بڑوں کے ساتھ بدتمیزی کرو“ عمارہ نے اسے دھکا دے کر بتایا تو وہ زور زور سے روتی باہر آگئی عمارہ معافیاں مانگ مانگ کر انہیں حریہ مضبوط کر رہی تھیں۔

اس روز وہ پرائیٹ کا انتظار کر رہی تھی کہ زوردار چہ چراہٹ کے ساتھ گاڑی کے نائز اس کے قریب رکے وہ ناگواری سے پیچھے ہوتی اور بے دھیانی میں گاڑی کے پیٹھے افراد پر نظر دوڑاتی اندر لگی اور اس کا بھائی شانی تھا۔

”باے رہا باب کیسی ہوا“ مکی گاڑی کا دروازہ کھول کر اتر آئی شانی نے بھی اس کی تقلید کی۔

”ٹھیک ہوں“ اس نے رسی مسکراہٹ سے جواب دیا۔

”مس رہا باب کبھی آئیں ناں ہمارے گھر“ شانی بولا

ابھی وہ اسے کوئی جواب دینے ہی والی تھی کہ ایک اور گاڑی آکر مکی اندر غمار اور افشاں تھیں۔

”اوہ تم بھی آئیں ہو، ان بہن بھائی نے ہمارے کان کھالیے تھے کہ رہا باب کو ہمارے گھر لاؤ ناں“ دونوں باہر آگئی تھیں۔

”ہاں رہا باب آؤ ناں ہمارے مچی ڈیڑی انگلستان گئے ہوئے ہیں ہم چاروں بہت پورہ ہوتے ہیں خاص طور پر یہ شانی“ مکی بولی۔

”اچھا آؤں گی کبھی“ وہ مروت سے بولی۔

”آج کیوں نہیں ابھی چلو“ وہ اصرار کرنے لگی۔

”سواری میں نے گھر میں بتایا نہیں ہے“ اس نے شانتھی سے انکار کیا۔

”اچھا چلو آج تمہیں ہم ڈراپ کرویتے ہیں“ مکی نے آفر کی تو اس نے انکار کر دیا۔

”میں پرائیٹ سے یا آپلی کے ساتھ چلی جاؤں گی۔“ اس نے غدار کی طرف اشارہ کیا اس عرصہ میں شانی کی نظریں اس پر جمی رہیں وہ سخت

ابھمن محسوس کر رہی تھی شانی اور مکی کی آنکھوں میں عجیب سا تاثر تھا اس کی آنکھیں بروقت اس نے سرخ ہی دیکھی تھیں۔ پھر ان کے روکنے کے باوجود وہ پرائیٹ کا انتظار کرنے لگی بس اتنے ہی دو ٹپک کر سوار ہوئی وہ چاروں ابھی تک کھڑے ہاتھیں کر رہے تھے۔

☆☆☆

مسز جواد کے بھائی اشتہام کو کھل بہت اچھی لگی تھی وہ فکرت کرنے کا قائل ہی نہیں تھا سیدھا سبھاؤ ماں اور بہن کو ان کے گھر بھیج دیا بس پھر کیا تھا تائی اور چچی نے الزامات کی بوچھاڑ کر دی۔

”اس لیے تو بھاگ بھاگ کر جاتی تھی اب پتہ چلا یہ سلسلہ ہے تبھی میں کہوں یہ مسز جواد ماں کو لے کر کیوں آئی ہیں“ تائی نے مکارانہ آنکھیں تمھائیں انہوں نے اپنے شوہروں کو بھی بتا دیا بس کل کا بوتیک جانا بند کر دیا گیا اور رشتے سے بھی انکار کر دیا مسز جواد بعد میں دو تین بار اس کا سبب پوچھنے آئیں تو ان کی خوب بے عزتی کی گئی انہوں نے آئندہ کے لیے توبہ کر لی اشتہام کو اس انکار کا بہت قہقہہ تھا پہلی بار اس طرح کوئی لڑکی اچھی لگی تھی وہ بنییدگی سے اسے اپنا ناچا جانتا تھا ماں بہن کی بے عزتی کے بعد اسے دل پہ پتھر رک کر کل کو بھلا نا پڑا۔ مسز جواد ایک چلتی اور خفتی لڑکی سے محروم ہو گئی تھیں جو ان کے بھائی کی محبت بھی تھی اشتہام ایک کھاتے پیتے گھر کا لڑکا تھا تبھی تو رقیہ آمنہ اور رفعت کے پیٹ میں درد اٹھا تھا اتنے ہونہار اور کھانا لڑکے کا رشتہ اس منوں کل کے لیے آیا تھا انہوں نے ایسا سلسلہ چلایا کہ بات ہی ختم ہو جی تب کہیں جا کر انہیں چین آیا۔

اب رہا باب بقاعدگی اسے خمار اور افشاں کے ساتھ جاتی تھی سہولت اور آسانی کو ہر کوئی پسند کرتا ہے اگر یہ بات ہوتی تو زندگی کو آرام دہ بنانے والی مشینیں ہی ایجاد نہ ہوتیں وہ بھی بسوں کے دھکے کھا کھا کر اسکاٹی ہوئی تھی اس روز وہ ایسی میں شانی ٹکرا گیا وہ خمار گیسے کہہ رہا تھا جاتے ہوئے مجھے بھی ڈرا پ کر دو اس نے اسے بھالیار باب حسب معمول پیچھے بٹھی ہوئی تھی وہ بھی اس کے ساتھ آکر بیٹھ گیا۔ افشاں اور خمار اپنی باتوں میں مگن تھیں۔

”شانی تیا مال آیا ہے یا نہیں“ افشاں نے مڑ کر شانی سے پوچھا۔

”ایک دو ہفتے تک آئے گا شاید ہے کہ بوازد دوست ہے“ شانی نے بتایا۔

”ہائے میں کیسے دیکھنے آؤں گی“ خمار پریشان ہو گئی۔

”جیسے برو فدا آتی ہو“ وہ بولا۔

”نہیں کافی دیر ہو جاتی ہے، چلو نا تم تہدیل کر لیں گے“ افشاں نے اسے تسلی دی۔

”پلیز افشاں، خمار رہا باب کو ضرور لائے گا انہیں بھی دکھائیں گے طبیعت خوش ہو جائے گی“ وہ معنی خیر لہجے میں بولا رہا باب بھی وہ کسی کپڑے کی باتیں کر رہے ہیں بھلا اسے کیا دلچسپی، وہ کتنی تھی وہ باہر جھانکتی رہی، افشاں کی نظریں اس کی بے خبری کو کھوجتی رہیں اس کے اس گریز میں اسے بہت انریکشن محسوس ہوتی تھی۔

”خیر چند روز کی بات ہے گھر آکر مال دیکھ لے تو سیدھی قدموں میں گرے گی خود ہی ساری مشکلات ختم ہو جائیں گی“ وہ سوچ رہا تھا۔

وہ مار یہ کے ساتھ اس کی بہن کے ڈیوار ٹمنٹ میں آئی تھی اس نے محبت سے حال احوال پوچھا۔ ”گڑیا تمہاری یہ کزنز بہت اینڈ وائس لگتی ہیں“ انہوں نے ہنس کر طنز کیا وہ جان نہ سکی کہ اس کا کیا مطلب ہے۔ گھر آکر اس نے کل سے بھی ذکر کیا۔

”چھوڑو ہمیں کیا لیتا“ اس نے کہہ کر بات ہی ختم کر دی، وہ اپنے سٹڈی روم یعنی سنور میں آگئی وہ آج کل دو تین اخبارات میں لکھ رہی تھی

ایک کالم کا مسودہ اچھا خاصا تھا وہ ایک ساتھ ہی لیتی تھی قارئین اس کے انداز تحریر کو پسند کر رہے تھے اس کو ایک رسالے کی طرف سے بھی لکھنے کی پیشکش ہوئی جو اس نے قبول کر لی۔

اس روز افشاں اور غمار خاصے اہتمام سے تیار تھیں یوں تو وہ روزی اہتمام سے یونورسٹی جاتی تھیں مگر آج نگ رہا تھا کہ خاصی توجہ دی گئی ہے۔ باب بنو زسادہ سے کاشن کے کپڑوں اور جوگرز میں تھی۔

”آؤ ذرا لکی کا حال چال پوچھ لیتے ہیں کافی روز سے ملاقات ہی نہیں ہوئی ہے“ غمار نے راؤنڈ ہاؤس سے گاڑی کا رخ موڑ دیا۔ باب خاموش ہی رہی گینٹ پہلے ہی کھلا ہوا تھا غمار نے گاڑی سیدھی پورچ میں کھڑی کر دی اندر سے خاور مسکراتا ہوا برآمد ہوا اور انہیں خوش آمد یہ کہا۔ لکی اندر شاید سو رہی تھی افشاں نے بڑی مشکل سے اسے جگایا۔

”ارے تم بھی آئی ہو؟“ لکی اسے دیکھتے ہی محبت اٹھ کر بیٹھ گئی۔

”کتنی خوش قسمت ہوں میں تم ہمارے گھر آئی ہو“ لکی نے اس کا کال چوم لیا تو وہ جھینپ گئی۔

”آج تمہیں لانچ کئے یا جانے نہیں دوں گی، اچھی اچھی ٹیمیں دیکھیں گے باتیں کریں گے کیوں رہا باب؟“ لکی نے پروگرام بھی سیٹ کر لیا اور اس سے تائید چاہی وہ کچھ نہ کہہ سکی۔

”غصہ دین یونورسٹی فون کرتی ہوں ایک بات معلوم کرنی ہے“ وہ سوبائل کے نمبر پٹش کرنے لگی۔ دو تین منٹ بعد وہ ہلٹی۔

”ایم سو ری افشاں یونورسٹی تو بنگلے کی وجہ سے بند ہے لگتا ہے قدرت بھی میرا ساتھ دے رہی ہے۔“ وہ ہنسی، یونورسٹی میں بنگلے کا سن کر باب پریشان ہو گئی۔

”انہیں آتی چلتے ہیں یونورسٹی بند ہے۔“  
 ”اے بیٹھو آرام سے، شام سے پہلے جانے نہیں دوں گی آئی بڑی جانے والی، میں تو تمہاری دعوت کروں گی“ لکی نے محبت بھری نگاہ سے اسے دھکا دے دو بارہ ہٹھا دیا۔

”تم لوگ بیٹھو میں ذرا فریٹش ہو کر آتی ہوں“ وہ چلی گئی۔ خاص دیر بعد وہ آئی ہاف سیلینڈ بلاؤز میں دہلی چلی گئی لکی اسے بڑی عجیب لگی اس کے دونوں بازو کمر کے نیچوں سے اوپر چھوئے چھوئے نشان نما سوراخ تھے جیسے اس کے بہت سارے انجکشن لگے ہوئے وہ ہنستے ہوئے باتیں کرنے لگیں۔

”لکی کتنا انتہا کر اؤ گی لگاؤ بھی اس شاہکار کو۔“ افشاں اور غمار کے لہجے میں اشتیاق سا تھا۔

”اک ذرا انتظار“ وہ گنگنائی اور اٹھ کر باہر چلی گئی کچھ ہی دیر بعد خاور اور جنید آ گئے خاور کے ہاتھوں میں نرے تھی جس میں پیپسی سے لبریز گلاس اور ساتھ برف کیو بس سجے ہوئے تھے انہوں نے تینوں کو ایک ایک گلاس تھمایا اور خود بھی بیٹھ گئے غمار اور افشاں کی تقلید میں اس نے بھی گلاس بونڈوں سے لگایا اور گھونٹ بھرا، آف کیماڈا لگتا تھا اس پیپسی کا معدے میں جاتے ہی اندر جیسے آگ لگ گئی صبح کا ناشتہ جوں کا توں الٹ کر باہر آ گیا اس کا سر گول گول کھونٹے لگی بھاگ کر آئی۔

"جاؤ خاور فریج سے سیون اپ نکال کر لاؤ ہری اپ پتہ نہیں کولتہ ڈرکس بتانے والی یہ کہنیاں کیا کیا چیزیں ملا دیتی ہیں، میں آج ہی دکاندار سے شکایت کروں گی یہ تم نے ہمیں کیسی پیٹی دی ہے" لگی نے ڈرامنگی سے کہتے ہوئے سیون اپ زبردستی اسے پلائی تو اس کے ہوش کچھ ٹھکانے آئے۔ خاور نے بیجان خیر سائنکس میڈک لگا دیا تھا بعد میں لگی انہیں اندر ایک اور کمرے میں لے آئی جو بند تھا اس نے بڑھ کر لائٹ جلائی سامنے فرامی پرئی وی اور وی سی آر دکھا ہوا تھا۔

"لگی اپنی فریج ڈکو یہ مووی دکھاؤ، میں دیکھتا ہوں یہ شانی کہاں مر گیا ہے" خاور باہر نکل گیا لگی نے کیسٹ ڈال کر وی سی آر چلا دیا اچھے میں خاور اور جنید بھی آگئے ان کے ساتھ شانی بھی تھا رباب کو دیکھ کر اس نے کسی خاص رد عمل کا اظہار نہیں کیا وہ پرسکون ہوئی فلم چلنا شروع ہوئی کچھ دیر بعد منظر بالکل تبدیل ہو گیا یہ کیسی فلم تھی رباب کا خون جیسے کھولنے لگا چہرہ سرخ ہونے لگا ہاتھ پاؤں میں سن سناہٹ ہونے لگی اس نے آج تک ایسی کوئی فلم نہیں دیکھی تھی اس کا جی چاہا یہاں سے اس کمرے سے بھاگ جائے، اس نے دائیں طرف نظر دوڑائی سب فلم میں ڈوبے ہوئے تھے وہ دیر سے تھی۔

"ہمیں سوئی دیکھو اسے، تم خوش قسمت ہو جو ہمارے درمیان بیٹھی ہو انجوائے کرو جوانی انجوائے کرنے کے لیے ہوتی ہے مت خود کو سمیٹ سمیٹ کر رکھو" شانی کا سرخ سرخ چہرہ اور آنکھیں اسے دہلا گئیں اس کے ہاتھ میں پیٹی سے بھرا شروب والا گلاس تھا رباب نے نظریں سکرین سے ہٹالیں وہاں جو کچھ دکھایا جا رہا تھا اسے دیکھ کر دل چاہ رہا تھا زمین پہنے اور وہ اس میں سما جائے پھر اس نے دیکھا کہ فلم دیکھتے دیکھتے خمار جنید کی طرف لڑھک گئی خاور لگی کو قہار کر باہر لے گیا خمار اور جنید ایک دوسرے میں مکمل طور پر گم ہو چکے تھے اس نے شرمندگی سے آنکھیں بند کر لیں شانی کو افشاں سنبھال چکی تھی یہاں تو شیطان چکر شروع تھا وہ باہر آگئی اس نے دائیں طرف بے کمرے کا دروازہ کھولا چاہا وہ چوہٹ کھل گیا اندر کا منظر دیکھ کر اس کے حواس سلب ہو گئے لگی کی ساڈھی کا پلو زمین پر پڑا ہوا تھا وہ اور اس کا بھائی (بقول لگی کے) انتہائی قابل اعتراض حلقے میں تھے رباب کا دل چاہ رہا تھا اس شیطان کا وہ اور شیطان کی پچاڑیوں سے وہ دور چلی جائے اندر کا منظر اس کے دل و دماغ پر ایسا طاری ہوا کہ وہ بے اختیار نہیں نہیں کہتے ہوئے چھینیں مارتی باہر کی طرف بھاگی یوں لگ رہا تھا جیسے وہ پاگل ہو جائے گی۔ کسی نے اسے قہار لیا تھا اس نے بے اختیار نگاہیں اٹھائیں اس پاس وردیوں والے کفرے تھے۔

"گل محمد اسے سنبھالو میں اندر کا جائزہ لیتا ہوں" انسپکٹر نصیر نے اسے حوالدار کے حوالے کر دیا اس کے ساتھ لیڈی پولیس بھی تھی رباب کے حواس ختم ہوئے جا رہے تھے وہ خالی المذنی کے عالم میں تھی جیسے اسے معلوم ہی نہ ہو کہ کیا ہو رہا ہے چند منٹ بعد پولیس ان باقی افراد کو بھی لے آئی ان سب کے رنگ اڑے ہوئے تھے خواب کے عالم میں چلتی ہوئی وہ بند پک اپ میں بیٹھی تھی لگی خمار اور افشاں بھی اس کے ساتھ تھیں جب انہیں سلاخوں والے تیلی دروازے کے پیچھے دھکیلا گیا تو اسے ہوش آیا کہ کتنا بھیاٹم واقعہ اس کے ساتھ پیش آچکا ہے وہ زور زور سے رونے لگی۔

"چپ کر مہارانی گل کھلا کر رو رہی ہے اگر اتنی ہی فکر تھی تو آئی کیوں تھی یہ رنگ کیوں گھولا" لیڈی انسپکٹر نے سلاخوں کے پار سے بید کی چھڑی اسے رسید کی تو وہ بلبلا اٹھی اس کی سفید کھائی پر سرخ سائنٹن پڑ گیا تھا وہ دعا کرنے لگی کہ کاش اسے موت آجائے عمار وہ لکل کا سامنا کرنے

سے پہلے ہی اللہ اسے اٹھا لے یا پھر یہ ایک خواب ہو۔ شانی، جنید اور خاور مسلسل چچ رہے تھے البتہ لڑکیوں کے چہرے اترے ہوئے تھے۔ تھوڑی دیر بعد انہیں نکال کر میڈیکل چیک اپ کے لیے لے جایا گیا لگی، غمار اور افشاں کے چہرے زرد پڑ گئے تھے رہاب کی حالت تو سب سے بری تھی۔

”ادھر چلو ذرا تفتیش تو کریں“ لیڈی پولیس کی ایک اہلکار نے انہیں دھکا دیا تو افشاں کو خود پر اختیار نہ رہا۔

”تم جانتی نہیں ہو میں کس کی بیٹی ہوں“ وہ غرائی پر اس عورت نے توجہ نہیں دی مگر یہ مسکراتی رہی۔

”بی بی یہاں آنے والی ہر لڑکی شروع میں یہی کہتی ہے میں فلاں شیٹرز کی بیٹی ہوں، فلاں سینٹھ کی بھانجی ہوں، فلاں ڈی سی کی رشتہ دار ہوں مگر تھوڑی دیر بعد ہی دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو جاتا ہے“ لیڈی پولیس نے تسخیرت انہیں دیکھا۔

”کوثر ڈی ایس پی صاحب آگئے ہیں انہیں لاؤ“ ایک لیڈی پولیس کا شیپیل نے جلدی جلدی بتایا۔ ”آگے لکو حرا تو اب آئے گا ڈی ایس پی صاحب سے تو فرشتے بھی پتا دے سکتے ہیں خوبصورت لڑکیوں پر انہیں رحم بھی نہیں آتا ہے، ان کے پاس تشدد کے وہ نئے طریقے ہیں کہ لوہا بھی ان کی سختی سے پگھل جائے تم تو پھر تازگ تازگ لڑکیاں ہو، اس لیڈی پولیس نے انہیں ڈرایا۔ فقی ہوتے رنگ اور ہراساں شکل کے ساتھ رہاب ان تینوں کے پیچھے پیچھے ڈی ایس پی کے کمرے میں داخل ہوئی۔

”کہاں سے پکڑا ہے انہیں انسپکٹر مراد“ وہ مودب کمرے انسپکٹر مراد سے مخاطب ہوا۔

”مگل افشاں کا لونی ملاک ای بنگلہ نمبر ۴۵ سے سر“ اس نے جواب دیا

”اور کیا کیا ملے وہاں سے“ ڈی ایس پی نے ایک طائرانہ نظران سب کے چہرے پر ڈالتے ہوئے پوچھا۔

”سر یہ تقریباً سو سے زائد ویڈیو کیسٹیں چھ کریمٹ ولایتی شراب کے اور یہ بیک اور فائٹری ہیں شاید ان لڑکیوں کی ہیں“ اس نے میز پر رکھی چیزوں کی طرف اشارہ کیا جو اس نے لگی کے کمرے پر آدکی تھیں۔

”سر شاہ آپ نے انہیں کس حال میں پکڑا؟“ وہ لیڈی اسے ایس آئی کی طرف متوجہ ہوا جو انسپکٹر مراد کے پاس ہی کھڑی تھی۔

”سر اندرونی سی آر پر ظہم چل رہی تھی یہ چاروں اسی کمرے میں مونڈاڑا ہے تھے جبکہ یہ دونوں دوسرے کمرے میں تھے“ اس نے لگی اور خاور کی طرف اشارہ کیا۔

”اور یہ“ اس نے رہاب کی طرف اشارہ کیا تو انسپکٹر نصیر بول پڑا۔

”سر یہ باہر تھیں زور زور سے چیخ رہی تھیں ان ہی کی آواز نے ہمیں متوجہ کیا یہ نہیں نہیں کہہ رہی تھیں۔“

”ہونہ“ ڈی ایس پی نے بنگارا بھرا اور میز پر رکھی فائٹرز دیکھنے لگا ایک غمراک افشاں اور ایک رہاب کی تھی جبکہ بیک بھی رہاب کا تھا۔

”تو سنو ڈٹس ہو تم لوگ“ اس نے بیک سے جھانکتی کتاب پر لگا دو ڈاکر پوچھا اور باہر نکال لی۔

”رہاب اسد کمال بی۔ اے آنرز فرسٹ ایئر“ اس نے با آواز بلند نام پڑھا اور اپنی سیٹ سے اٹھ کھڑا ہوا۔

”تو آج آپ یونیورسٹی نہیں گئیں“ وہ ان چاروں کے پاس رک گیا اس کے نرم لہجے نے انہیں کچھ حوصلہ دلایا۔

”سراج یہ غلطی ہوئی ہے آئندہ ہم کبھی ایسا نہیں کریں گے“ افشاں لجاجت سے بولی۔

”ٹھیک ہے ٹھیک ہے“ وہ اطمینان سے بولتا ان کے سامنے ٹھیک پر تک گیا اور انیسکل مراد کے سوا سب کو باہر جانے کا اشارہ کیا۔

”اپنے تعارف سے توفیق یاب کریں ہمیں“ وہ دوستانہ انداز میں مسکرایا۔

”میں لگی ہوں یہ افشاں ہے یہ غدار ہے یہ ان کی کزن ہے پتہ نہیں ہے بھی یا نہیں“ لکی نے رہاب کی طرف اشارہ کرتے ہوئے عجیب سا

انداز اختیار کیا رہاب کی نظریں زمین میں گڑی ہوئی تھیں جیسے اس نے قسم کھائی: ”وہ کسی کو بھی نہیں دیکھے گی گلابی ہونٹوں کو کانتے کانتے اس کے نچلے ہونٹ سے خون نکل آیا تھا۔“

”سرم بے قصور ہیں یہی ہمیں وہاں ورغلا کر لگتی تھی قسم سے سرم بے قصور ہیں“ غدار نے رونا شروع کر دیا۔

”پلیز آپ چپکے کر جائیں مرزا قصور داروں کو سی ملے گی آپ کو نہیں“ اس نے ایک اڈاتی اڈاتی نظر رہاب کے چہرے پر ڈال کر سر جھٹکا اور

غدار کو تسلی دی وہ فوراً چپ ہو گئی ڈی ایس پی نے انہیں بیٹھنے کا اشارہ کیا وہ تینوں بیٹھ گئیں رہاب کھڑی رہی یوں لگتا تھا جیسے کوئی اسے جادو کے زور سے

بت بنا گیا ہو وہ ہٹا کر کیفیت میں تھی شانی خاوا اور جنید بھی بیٹھ چکے تھے۔

”سرم ہمارے لاکھ کوئی خدمت“ لکی ایک ادا سے ٹھیک پر بیٹھے ڈی ایس پی کی طرف جھکی تو اس کی ساری کاپو زمین کو چھونے لگا اس کی

ساری رعنائیاں چھپائے نہیں چھپ رہی تھیں۔

”اتنی جلد ہی کیا ہے“ وہ ہنسا۔

”پہلے اپنے ایڈریس تو بتائیں تاکہ آپ کو گھر چھوڑنے کا انتظام کریں۔“ وہ تینوں ایڈریس بتانے لگیں لکی نے لڑکوں کو اپنا بھائی ظاہر کیا تھا

ڈی ایس پی کی نگاہ رہاب پر رک گئی۔

”بی بی آپ کا ایڈریس اور والد کا نام کیا ہے“ وہ خاموش رہی اس نے دوسری بار پوچھا وہ خاموش رہی اس نے تیسری بار پوچھا جواب میں

خاموشی تھی اس نے ہاتھ میں کپڑی بید پوری شدت سے اس کی کمر پر مارا وہ چیخ پڑی۔

”میرا کوئی ایڈریس نہیں ہے میرے والد نہیں ہیں“ وہ بول پڑی تھی۔

”سرم اس سے کیا پوچھتے ہیں ہم سے پوچھیں اب بھلا ایڈریس کیسے بتائے شرم جو آ رہی ہے اسے“ غدار بے دھڑک بول رہی تھی۔ ڈی ایس

پی ان کے گھر فون کر کے ان کی طرف متوجہ ہوا۔

”تو تم لوگ پڑھائی کے بجائے یہ زہر رگوں اور دماغ میں انجیکٹ کر رہے ہو“ وہ لڑکوں کے پاس آیا بید کی چھڑی تڑا تڑتوں کی بیٹھ پر

پڑی تو ان کا سارا نشہ ہرن ہو گیا۔

”سرم بے گناہ ہیں بے قصور ہیں یہ ہمیں لا کر دیتی تھی کہتی تھی کہ میرے کزن لاتے ہیں“ شانی اور ان دونوں نے رہاب کی طرف اشارہ

کیا لڑکیاں بھی اس کا نام لے رہی تھیں۔

”نی نہیں نہیں جھوٹ ہے“ رباب کی آواز گھنٹی گھنٹی سی تھی جیسے اسے خود پر اعتبار نہ ہو۔

”میں تم لوگوں کو زندہ نہیں چھوڑوں گا موت مانگو گے وہ بھی نہیں ملے گی۔“ ڈی ایس پی پر جنون خاری ہو گیا شائیں شائیں بیدار لوگوں پر برس رہے تھے لڑکیاں قہر قہر کانپ رہی تھیں۔ اتنے میں زابد، واحد اور اسرار چلے آئے ان تینوں کو تھانے میں دیکھ کر ان کا حال جو نہ واسو و الفشیں اور غمار نے بھی نظریں چرا لیں اس وقت ڈی ایس پی دوسرے کمرے میں تھا ایک بیگلے میں قتل کی دوہری واردات کی اطلاع ملتے ہی وہ چلا گیا تھا ان تینوں سے اس کا سامنا نہیں ہوا تھا انسپکٹر مراد اس کی جگہ بیٹھا ہوا تھا۔

”سر آپ اپنی اولادوں کو تقسیم اداروں میں بھیج کر مطمئن کیوں ہو جاتے ہیں کیا آپ نے کبھی یہ جاننے کی زحمت کی کہ واقعی ہماری اولاد کاٹ بونڈورٹی سی جا رہی ہے یا کہیں اور کیا آپ نے کبھی ان کے معمولات جاننے کی کوشش کی آپ کو معلوم ہے آپ کی صاحبزادیاں آج کہاں تھیں“ انسپکٹر مراد سر دیکھ کر بولے۔

”نہیں“ اسرار اور واحد کے سر ہلے۔

”یہ آج کل فٹاش کا لونی کے ایک بیگلے میں ان لڑکوں کے ساتھ کاٹن اعتراض طے میں عریاں فلمیں دیکھتے ہوئے پکڑی گئی ہیں۔ ساتھ شراب کا دور بھی چل رہا تھا۔“ مراد نے دھماکہ کیا تو اسرار اور واحد لرزتے ہوئے کھڑے ہو گئے۔

”ڈیڈی یہ جھوٹ ہے ہمیں رباب خود لے کر گئی تھی زبردستی وہاں اس نے ہمیں کہا کہ یہ پیٹی پیٹا ہے کیا پتہ کہ وہ شراب تھی آئی سویر ڈیڈی یہ جھوٹ ہے۔ میری فریڈلگی اور اس کے بھائیوں کو بھی اس نے بھکاریا ہے یہ اکثر بونڈورٹی میں ایک لڑکے کی گاڑی میں بیٹھ کر کہیں جاتی تھی میں نے بہت روکا بھی فٹاش نے بھی سمجھایا مگر یہ باز نہیں آئی اسی سے یہ فلمیں لاتی تھی آج بھی یہ اس لڑکے کے ساتھ تھی ہمیں روکا اور دیکھا کہ زبردستی اس بیگلے میں لے گئی ڈیڈی وہ بیگلہ اس کے دوست ارمان کے نام ہے۔“ غمار اور فٹاش اسرار اور واحد کے کچلے گئیں رورو کر اپنی داستان سن رہی تھیں انہوں نے تو اپنے اپنے باپ کا سہارا لے لیا تھا وہ کس کا سہارا لیتی کون اس کی بے گناہی کے بارے میں ثبوت دیتا کاش خدا اسے آسان پر اٹھالیتا یا اس بھڑکی آگ کو گھڑا میں بدل دیتا۔ پر وہ نہ تو عیسیٰ تھی نہ ابراہیم وہ تو ایک عام سی لڑکی رباب تھی۔

زابد کمال اپنی پی آر شپ سے کام لے رہے تھے ہار ہار فون کھڑا کر رہے تھے انہیں چھوڑ دیا گیا اس تمام عرصے میں تاپا یا پچانے رباب سے کام تک نہیں کیا اس نے کئی دفعہ یونان چاہا پر کسی نادیہ و قوت نے جیسے اس کی زبان پکڑ لی۔ غمار اور فٹاش کے چہرے دک رہے تھے زردی سرخی میں بدل گئی تھی جھکی ٹھانی خمر سے تھی ہوئی تھیں لڑکھائی زبان رواں ہو گئی تھی گردنیں تن گئی تھیں ہاں ایک لڑکی رباب تھی جو نہ زمین میں دھنسنے جا رہی تھی۔

جہاں عدل کی زنجیر نصب ہے!!

وہیں کئے ہیں میرے ہاتھ اسے کبہ دینا

”بلاؤ اس کی ماں کو“ زابد کی آواز آج سے پہلے کبھی اتنی اونچی نہیں ہوئی تھی وہ سب سنگ روم میں تھے رباب گاڑی سے اتر کر اپنے پورشن کی طرف جانا ہی چاہتی تھی کہ بچانے اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنے پورشن کی طرف دھکا دے دیا تھا اس کے آگے ربحان ہاتھ باندھے دوسرے ادھر ٹھل رہا



تھا فہد کو تائی نے زبردستی کمرے میں بند کیا تھا جب تھانے سے فون آیا کہ آپ کی بیٹیاں یہاں پولیس کی تحویل میں ہیں تو تینوں بھائیوں کا رنگ فق ہو گیا تھا جب ہنسائی کے خوف سے ہی ان کے پسینے چھوٹ گئے تھے ڈی ایس پی نے تفصیل بھی بتادی تھی ان کی نگاہوں میں کل صبح کے اخبار کے متوقع شدہ سرخیاں گردش کرنے لگیں ”مشہور بزنس میں فٹنس کمال کی پوتیاں اور جمیر آف کامرس کے رکن کی بیٹیاں رنگہ دلیاں مناتے ہوئے گرفتار ہو گئیں۔“

فہد اور ریحان کے چہرے سرخ ہو گئے تھے وہ دونوں بھی تھانے جاتا چاہتے تھے تائی رقیہ نے بمشکل دودھ کے واسطے دے دے کر انہیں روکا جو ان خون تھا کچھ بھی کر سکتا تھا خود آمنہ اور رفعت کے دل دہلے جا رہے تھے پچھلے کیا قصہ تھا عمارہ کو تو سرے سے خبر ہی نہیں کی گئی۔ اب واپس آ کر علم ہوا تھا کہ یہ چکر ہے رقیہ، آمنہ اور رفعت مطمئن تھیں غمار اور افشاں نے اپنی بے گناہی ماں باپ دونوں کی نظروں میں ثابت کر دی تھی دیکھنا یہ تھا کہ رباب بی بی کا کیا حشر ہوتا۔ رقیہ فہد کو بلالائی تھیں۔ رباب کے ذمہ ان کے بڑے حساب تھے جن کو چکانے کا بہترین موقعہ قدرت نے از خود فراہم کر دیا۔

آمنہ جا کر عمارہ کو بلالائیں وہ عصر کی نماز پڑھ کر فارغ ہوئی تھیں آمنہ کے لہجے میں کوئی بات ایسی تھی ضرور جس نے انہیں چوکا دیا تھا۔ تل بھی کام ادھورا چھوڑ کر ان کے ساتھ ہوئی اندر جیسے کوئی عدالت لگی ہوئی تھی اور اس کی ماں جانی کمرے کے وسط میں مچھرتوں کی طرح کھڑی تھی یوں لگ رہا تھا جیسے وہ کسی بھی لمبے زمین پوس ہو سکتی ہے۔

”رباب! کیا ہوا ہے۔“ دونوں اس کے قریب آئیں۔۔۔ وہ یوں ہو گئی جیسے اس کی سماعت مفلوج ہو گئی۔۔۔

آسان نہیں ہے انصاف کی زنجیر ہلانا

دنیا کو جب آئینہ کا دربار نہ سمجھو!

”میری معصوم اور مظلوم بیٹیاں“ آمنہ اور رفعت نے دہائی دی غمار اور افشاں دھواں دھار رو رہی تھیں جو داستان انہوں نے تھانے میں سنائی تھی اب گھر میں نئے سرے سے سب کو سنار ہی تھیں۔

”ہمیں کچھ پتہ نہیں تھا رباب نے اپنے دوست کے ساتھ مل کر ہمیں جانے کیا پایا کہ ہمارے حواس سلب ہو گئے۔ اس نے کہا کہ میں تمہیں ایک زبردستی ہی قلم دکھاتی ہوں پہلے بھی کئی بار اس نے آفرزدی مگر ہم ہانسی رہیں مگر میں بھی کسی کو نہیں بتایا تاکہ عمارہ چچی اور بھی خود کو مظلوم نہ سمجھنے لگیں کیونکہ ہم ان پر قلم جو بہت کرتے ہیں۔ آج بھی یہ زبردستی اپنے دوست کے ساتھ آئی اور ہمیں بٹھا کر لے گئی ہمیں کیا پتہ تھا وہاں یہ شیطانی کاروبار ہوتا تھا۔ واللہ ڈیڑی ہمارا دل چاہتا ہے خود کشی کر لیں اس واقعے کے بعد دل اچات ہو گیا ہے۔“ غمار اور افشاں نے اچانک ہی صوفے کے تھمے سے سر ٹکرانے شروع کر دیئے۔ آمنہ اور رفعت تڑپ کر آگے بڑھیں اور انہیں روکا۔

صرف مجھے ہی نہیں میری سوچوں کو بھی سزا دو

میں یہی نہیں ہوں مجھے سولی چڑھا دو

”نہیں نہیں یہ جھوٹ ہے میں نے کچھ نہیں کیا غمار اور افشاں آپلی مجھے خود اپنی دوست لگی کے گھر لے کر گئی تھیں۔“ اس نے ڈوبتے ڈوبتے ابھرنے کی کوشش کی عمارہ اور کل دم بخود اسے دیکھتے جاری تھیں فہد اور ریحان ایک ساتھ دروازے کے پت پکڑے جھانک رہے تھے۔ زائد، اسرار

اور واحد تئیں رہا اب کے ارد گرد کھڑے تھے۔ ریحان اور فہد بھی ان کی طرف بڑھے کچل کو ایک کتاب میں پڑھی گئی ریڈائیز کی رسم یاد آگئی جب وہ کسی دشمن کا خاتمہ کرنے لگتے تو اس کے گرد گھیرا بنا کر کھڑے ہو جاتے تھے اگر وہ گھیرا توڑ دیتے تو اس کا مطلب ہوتا کہ انہوں نے دشمن کو معاف کر دیا ہے اگر وہ ہنوز گھیرا برقرار رکھتے تو موت کا خونی رقص شروع ہو جاتا ہے ارد گرد بیٹھے تماشا کی خاک اٹھا اٹھا کر دشمن پر پھینکتے اور نفرت کا اظہار کرتے۔

اسے یوں لگ رہا تھا کہ وہ ریڈائیز کی ہستی میں ٹھنسی ہوئی ہے جہاں اس کی بہن گھیرے میں ہے۔ تائی چچی افشاں، اسما، غمار، صومیہ سب تماشا کی ہیں جو دشمن پر کسی بھی لمحے خاک پھینکنے والے تھے اور موت کا رقص شروع ہو جاتا۔

”نہیں بھائی جان یہ رباب جھوٹ بول رہی ہے کئی بار تو اس نے ہمیں چپ رہنے کے پیسے دیئے اس کے پاس ابھی بھی چند کیسٹس ہیں اس نے ہمیں رکھنے کے لیے دیں مگر ہم نے انکار کر دیا۔“ افشاں فہد سے بولی جو خون رنگ نظروں سے رباب کو گھورے جا رہا تھا۔

”جھوٹ ہے یہ اللہ پاک کی قسم میرے پاس ایسی کوئی کیسٹ نہیں ہے آپ حلاشی لے لیں۔“ رباب کو امید کی کرن نظر آئی جو اس نے دیوانہ وار منہ میں بند کر لینی چاہی۔

”آئیں بھائی میں دکھاتی ہوں۔“ افشاں آگے ہوئی سب نے اس کی تھلید کی وہ شور روم میں گھس کر اس کا ساہا بن الٹ پلٹ کرنے لگی اور واقعی ٹریک کی دھڑکنے کیسٹس نکلیں ساتھ دوسروں نے کھڑے تڑے ٹوٹ بھی تھے پوری پانچ کیسٹس تھیں فہد نے جھپٹ کر قبضے میں کیں اور رباب کو کھینچا نیچے لے آیا سب سانس روکے اس کی کارروائی دیکھ رہے تھے اس نے ایک کیسٹ وی سی آر میں چلا دی اس میں جو کچھ دکھایا جا رہا تھا اس کو دیکھ کر سب کے سر جھک گئے فہد نے جھپٹ کر پلگ نکالا اور وی سی آر سے کیسٹ نکال کر اپنے بوٹوں تلے چل دی۔

”جسمیں پتہ ہے امریکہ جیسے ملک میں بھی جو خود کو فخر سے ترقی یافتہ اور روشن خیال ملک کہتا ہے وہاں بھی ایسی تھیں نہیں دیکھی جاتیں تمہاری یہ صحت کہ تم دھڑلے سے انہیں پاس رکھو۔“ فہد نے بھاری ٹوٹ سے اس کے جسم کو گھس کر لگائی وہ ریت کی دیواری طرح ڈھسے گئی۔

”کون ہے یہ ارمان اور اس کے ساتھ کب سے تم نے یہ سلسلہ شروع کر رکھا ہے۔“ (ایک اور گھوکر)۔

”بھئی کیوں نہیں ہو باپ سر پر نہیں ہے اس لیے آوارگی کا یہ عالم ہے۔“ تائی نے اس کے گال پر تھپڑ مارا۔

”میں تمہارا خون پی جاؤں گا۔“ واحد بچانے دوسرا تھپڑ مارا عمارہ کے دل کو جیسے کسی نے ٹھکی میں پوری شدت سے مسل دیا۔

”کیسی آوارہ جان سے مارو، ہماری معصوم بیٹیوں پر انزام لگاتی ہے۔“ آمنہ رفعت نے بڑھاوا دیا فہد نے اپنے بھاری بوٹوں سے اسے فٹ ہال کی طرح ٹکس لگانا شروع کر دیں پہلے اس کے سر سے خون کا فوارہ چھوٹا پھر جسم پر پہنے گئے کپڑے خون سے تر ہونا شروع ہو گئے۔ ناک سے بھل بھل خون بہہ رہا تھا فہد ابھی تک جنون کے عالم میں اسے مارے جا رہا تھا اسے کیا خبر تھی اس کی ہر ضرب اس معصوم لڑکی کو اذیت کی کس کس انتہا تک پہنچا رہی ہے رباب کے جسم سے بہتا خون دکھ کر عمارہ پر جنون طاری ہو گیا اور پانچوں کا گھیرا توڑ کر آگے بڑھنے کی کوشش کرنے لگیں واحد نے انہیں دھکا دے کر گرا دیا وہ ہمت کر کے پھر اٹھ کھڑی ہوئیں اس بار وہ رباب کے قریب پہنچنے میں کامیاب ہو گئیں اس کا لبہ پوریدہ جسم دیکھ کر ان کی آہیں آسمان کا سینہ چرے نے نکلیں۔

”میری رہاب تو آئینہ ہے صاف شفاف آئینہ جس پر گرد کا ایک ذرہ بھی نہیں ہے۔“ وہ رہاب کے بے جان جسم کو دیکھ کر انداز چم رہی تھیں۔  
 ”چھوڑ دے فہم چھوڑ دے اسے مر جائے گی۔“ رقیہ جتنی ہوئی بیٹے کے قریب آئیں رہاب کی حالت دیکھ کر ان کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے۔ شمارہ رہاب کے اوپر اوندھی ہو گئی تھیں اب سب کو ہوش آیا کہ کیا ہو چکا ہے اور کیا ہونے والا ہے۔ کل بھاگ کر ماں اور بہن کے قریب آئی۔  
 ”امی ہوش میں آئیں خدا کے لیے امی ہوش میں آئیں ہماری رہاب کو ہمارے طوطے کو کچھ نہیں ہوا ہے۔ تایا ابو دیکھیں ناں رہاب کو امی کو کیا ہو گیا ہے۔ پلیز انہیں دیکھیں ناں۔“ وہ زہد کے قدموں میں گر گئی۔

”خدا کے لیے کچھ کریں زہد ورنہ یہ پولیس کیس بین جائے گا ابھی جان ہے اس میں۔“ تائی رقیہ نے مردوں والی ہمت کا مظاہرہ کیا تھا انہوں نے ٹول کر رہاب کی فیض چیک کی جو آہستہ آہستہ چل رہی تھی۔

”اگر پولیس اور ڈاکٹر نے پوچھا تو کیا کہیں گے۔“ واحد اور اسرار مذہب میں تھے۔  
 ”کہہ دیں گے سیر میوں سے گری ہے بیٹی کو دیکھ کر ماں بھی بے ہوش گئی۔“ رقیہ نے پروگرام بھی سیٹ کر لیا۔ نہ جان نے بھاگ کر رہاب اور شمارہ کو گاڑی میں پہنچایا اس کا دلی کہہ رہا تھا کچھ نہ کچھ ضرور غلط ہوا ہے۔ کل ساکت و صامت بہن کا ہاتھ پکڑے تلخی ہوئی تھی۔  
 ڈی ایس پی بنگلین گیا آئی شاہ زمان کا بیان لے کر اس کے وی آئی پی روم سے باہر نکل رہا تھا آگے سے وارڈ بوائے اسٹریچر دھکیلتا ادھر ہی آ رہا تھا اس کی وردی کے رعب سے وہ سائیڈ پر کھڑا ہو گیا تاکہ وہ گزر سکے۔ بنگلین نے یونی اسٹریچر پر نظر ڈالی تھی جیٹینا یہ وہی لڑکی تھی جو کل ان باقی تین لڑکیوں کے ساتھ لائی گئی تھی اس پہ پڑی چادر سے خون کے دو بے بھانک رہے تھے چہرہ بھی خشک ہوتے لمبوس بھیگا ہوا تھا۔

ایک روز میں اس کی حالت پہ حیران ہونا وہ آگے بڑھا آیا۔

دانت کام

اک دیا ایسا بجھا ہے مجھ میں  
اب کے نوحہ مگر ہوا ہے مجھ میں  
نکس در نکس بکھرتا ہے مجھے  
جانے کیا ٹوٹ گیا ہے مجھ میں  
نہ کوئی خواب نہ آنسو نہ خیال  
اب کے عجیب قحط پڑا ہے مجھ میں

آج عمارہ کا سوئم تھار باب کو ہاسٹل پہنچاتے ہی انہوں نے عمارہ کو بھی ایڈمٹ کروا دیا تھا مگر یہ کوشش کامیاب نہیں ہوئی ٹھیک دوسرے دن وہ خالق حقیق سے جا ملیں ڈاکٹرز کے مطابق ان کی موت فالج کے آنکٹ کے باعث ہوئی تھی۔  
کل نہ رو سکتی تھی نہ بس سکتی تھی بقول شاعر ایک اور دریا کا سامنا تھا مجھ کو ایک اور دریا کے پار جو اتر اتر میں نے دیکھا۔ باب آئی سی یو میں تھی کسی کو بھی ملنے یا دیکھنے کی اجازت نہیں تھی۔ آج چوتھا روز تھا۔ کل کو بغیر کھائے پیئے حالانکہ سب نے کتنی باتیں کی تھیں ایک نوالہ ہی کھا لو فہد بھی اس کے پاس آ گیا تھا۔

”کل پلیز کھالو ناں دیکھو چچی کی روح کو کیوں تکلیف دیتی ہو پیت سے کیوں دشمنی کر رہی ہو۔“ وہ نوالہ بنا کر اس کے منہ میں دینا چاہتا تھا..... کل نے آنکھیں اٹھا کر اس کو نفرت بھری نگاہوں سے دیکھا اور نوالہ اس کے ہاتھ سے چھین کر پھینک دیا۔  
”تم قاتل ہو، تم قاتل ہو۔“ وہ کمرے میں بھاگی تھی۔ فہد پھوٹ پھوٹ کر رو رہا تھا۔  
نگار پاؤں میرے اٹک نار سا میرے  
کہیں تو مل مجھے اے گمشدہ خدا میرے

آج مسلسل اٹھائیس دن ہو گئے تھے اسے کوئے میں گئے ہوئے، ڈاکٹرز کے مطابق سر میں کسی سخت ضرب کی وجہ سے اس کا ذہن بے ہوشی میں ڈوب گیا تھا کل اچھی طرح جانتی تھی وہ سخت ضرب کو لگی تھی سب باقاعدگی سے رہا ب کو دیکھنے آرہے تھے۔ کل نے تو باقاعدہ کسی جوگن کی طرح یہاں ڈیرہ ڈال لیا تھا سب سمجھا سمجھا کر تھک جاتے کہ مگر جا کر تھوڑی دیر آرام کر لو پردہ ش سے مس نہ ہوتی۔  
”اگر رہا ب کو ہوش آ گیا تو مجھے نہ پا کر وہ پریشان ہو جائے گی آپ سب جائیں میں اس کے پاس رہوں گی۔“ وہ ہٹ دھرمی سے کہتی سب حیران ہوتے یہ نرم خور مہربان کل نہیں تھی یہ تو رہا ب کا پر تو تھی ضدی رہا ب کا دوسرا نکس۔

سب کے جانے کے بعد وہ کرسی تھپٹ کر رہا ب کے بستر کے قریب لے آتی اور ٹھنکی باندھ کر رہا ب کے پیوں میں جکڑے چہرے کو بچا

سے چھوٹی اس کے ایک ایک نقش کو اپنے اندر اتارتی رہا اب کے زخم تیزی سے بھرتے جا رہے تھے کل دن رات ایک ہی دعا مانگتی کہ رہا اب کو ہوش آجائے۔ اور پھر اس روز رہا اب کو ہوش آئی گیا کل نے اس کے گلے لگ کر ہمارہ کی موت کا بتایا کل تڑپ تڑپ کر رو رہی تھی حیرت کی بات یہ تھی کہ رہا اب کی آنکھوں سے ایک آنسو بھی نہیں پکا تھا حالانکہ کل کو اس بری طرح روتے دیکھ کر کئی ڈاکٹر زکی بھی آنکھیں نم ہو گئی تھیں۔ اس کے ہوش میں آنے کے بعد اسے ڈسپانج کر دیا گیا۔

چراغ جلتے بھی کیسے جو ہواؤں کی زد میں تھے

جو بے خطا تھے ہم تو کیوں سزاؤں کی زد میں تھے

اب کے تو کوئی جڑ بھی کہیں ہر انھیں ملا!!

سارے دل کے موسم اپنے خزاؤں کی زد میں تھے

ط

رات بتایا اور بتائی چھوٹے بچا کے ساتھ ان کے پورشن میں آئے رہا اب انہیں دیکھ کر یونہی بستر پر پڑی رہی۔  
 ”کل ہم نے رہا اب کا رشتہ طے کر دیا ہے اس واقعے کے بعد ہمیں بہت خوف تھا سب کا خیال ہے کہ یہ کام جتنی جلدی ہو جائے اچھا ہے اس گھر میں بھی لڑکیاں ہیں کل کھانا کو ان کی بھی شادیاں ہوتی ہیں۔ رہا اب کی شادی کے بعد یہ کام آسان ہو جائے گا کل لڑکے کی بہنیں آ رہی ہیں تم مل لینے اور فکر مت کرنا ہم سب تمہارے اپنے ہیں۔“ بتایا دھیرے دھیرے کہہ رہے تھے کل کو قدرت کی اس قسم نظر بھی پر نہی آ سکتی۔

شادی کی تجویز بھی رقیہ کی سازشی ذہن کی پیداوار تھی ان کا خیال تھا کہ ہمدردی ہونے کے بعد رہا اب بے نیام نکوادر کا سلوک کرے گی اور ہو سکتا ہے کہ اپنے حصہ بھی طلب کرے اسی خوف نے انہیں دیوروں اور دیورائوں سے مشورہ کرنے مجبور کیا سب کا مشورہ تھا کہ کچھ دے دلا کر رہا اب کی شادی کر دی جائے، عطیہ میسے آئی تو اس نے بتایا کہ کچھ لوگ ہیں اس کی ساس کے جاننے والے جنہیں اپنے لڑکے کے لیے لڑکی کی تلاش ہے خاندان میں جب بھی اس لڑکے کی بات چلتی ہے کوئی رشتہ دینے کو تیار نہیں ہوتا لڑکا پہلے سے شادی شدہ اور دو بچوں کا باپ ہے سب ہی کہتے ہیں کہ اس نے پہلی بیوی کو قتل کیا ہے میں نے اس کی بہنوں سے رہا اب کا ذکر کیا اور ساتھ اس کی عادات کا بھی بتایا ہے وہ دل و جان سے آنے کے لیے تیار تھیں پھر میں نے سوچا پہلے آپ سے مشورہ کر لوں، اس نے بتایا تو رقیہ کی آنکھیں جھپکنے لگیں۔

دوسرے روز لڑکے کی بہنیں آئی تو انہوں نے صاف صاف اپنے بھائی کے بارے میں بتایا، رقیہ نے بھی رہا اب کے بارے میں سچے بولنے کا عالمی ریکارڈ قائم کیا تھا۔

”ٹھیک ہے مجھے یہ رشتہ منظور ہے۔“ سلوٹ اور بچی کی آنکھیں چمک رہی تھیں گھر آ کر وہ خوب ہنسیں۔

”اب حرا آئے گا، بھائی سکون کو ترس جائے گا لڑکی کی نانکی نے بتایا ہے کہ جس گھر میں جائے گی اندھیرا کر دے گی نعمت پھیلا دے گی اور ہم دیکھیں گے تمہارا۔“

ادھر رقیہ رلعت اور آمنہ بھی خوش تھیں۔

”سنا ہے کہ لڑکے کے غضب سے سب پناہ مانتے ہیں اپنی رہا ب کو دہا کر رکھے گا دال آنے کا بھاؤ پتہ لگ جائے گا اوپر سے دو بچوں کو سنبھالنا پڑے گا۔ ماں کے گھر کے پیش یا دائیں گے چوں بھی نہیں کر سکے گی۔ سارا دم غم ابھی سے نکل جائے گا ہو بہا فشاں اور خسار پر الزام لگاتی تھی پھا پھا کتنی کہیں کی، یہ نہ ہو رہا ب کا ہونے والا شوہر کہیں من گن ملنے پر اس کا پتہ ہی نہ صاف کر دے۔“

☆☆☆

# پاک سوسائٹی ڈاٹ کام

یہ میری انا کی شکست ہے نہ دوا کرو نہ دعا کرو  
جو کرو تو بس یہ کرم کرو مجھے میرے حال پر چھوڑ دو  
وہ جو ایک ترکش وقت ہے ابھی اس میں تیر بہت سے ہیں  
کوئی تیر تم کو نہ آئے میرے زخم دل پہ نہ یوں ہنسو

”گڑیا اٹھو نیچے ڈرائنگ روم میں تمہاری تندیں آئی ہیں۔“ یہ اطلاع دیتے ہوئے کل کا دل کٹ سا گیا وہ پس و پیش کئے بغیر اس کے ساتھ ہوئی سلوٹ اور گئی تو لیتی آنکھوں سے رباب کا جائزہ لے رہی تھیں۔۔۔ عطیہ اور اس کی ساس بھی ان کے ساتھ آئی ہوئی تھیں مومو، عریشہ، غمار اسامہ سب ڈرائنگ روم میں بیٹھے ہوئے تھے۔

”یہ ہیں رباب“ عریشہ نے طعنیہ انداز میں اس کی آمد پر تعارف کرایا۔ رباب سنت کر بیٹھ گئی عریشہ مومو، عطیہ، سلوٹ اور گئی کے کمر پر بھر کر رہی تھیں کل کا چہرہ باؤ جو وضاحت کے سرخ ہوا جا رہا تھا جبکہ وہ جس کے بارے میں یہ گہرا فتنہ نیاں کی جا رہی تھیں خاموش بیٹھی تھی کل کا جی چاؤ رہا تھا اس کی بے حسی پر اسے چھوڑ ڈالے وہ کیوں ایسی ہو گئی ہے کیوں اتنی مسکین اور قابل رحم نظر آنے لگی ہے۔

”کل ایک مگلاس پانی مل جائے گا“ وہ عدنان کی آواز پر چونک گئی جو اس سے پانی مانگ رہا تھا وہی بے بالوں والا عدنان جسے رباب مرنجی مخلوق کہا کرتی تھی۔

”رباب آپ اتنی خاموش کیوں ہیں“ وہ اٹھ کر اس کے پاس بیٹھ گیا اتنے میں کل اس کے لیے پانی لے آئی۔  
”آپ اس رشتے سے انکار کر دیں آپ کو خیر نہیں کہ وہ کتنا ظالم ہے شعلہ آدی ہے ایک بیوی کو قتل کر چکا ہے کسی طرح بھی آپ انکار کر دیں میں اس لیے آئی کے ساتھ آیا ہوں کہ حقیقت آپ کو بتاؤں۔“ کھنڈر اسعد نان کتنا بڑا اور پر خلوص لگ رہا تھا۔  
”مگر ہم کیسے انکار کریں یہ ممکن نہیں“ کل کمزور لہجے میں بولی جبکہ رباب اسی طرح خاموش تھی۔

”سچ وہ اس نازک سی لڑکی کا حشر خراب کر دے گا۔ درندہ ہے درندہ، آپ میری بات سمجھ کیوں نہیں رہی ہیں۔“ وہ دوسری سے بولا۔  
جائے جاتے سلوٹ رباب کے ہاتھ پر پانچ ہزار روپے رکھ گئی جس کا مطلب تھا کہ اب ہم جلدی آئیں گے مسز جواد کو بھی ظلم ہو گیا تھا کہ رباب کی شادی ہو رہی ہے وہ آئی تھیں حیرت انگیز طور پر آج سب کا سلوک ان کے ساتھ بہت اچھا تھا۔

”کل رباب کی شادی کا جو راقم ڈیزائن کرنا، میں تمہیں گفت کر دوں گی کل میرے ساتھ بازار چنا اور تمام میٹرل خرید لینا میں تو بی اور فوزی کو بھی تمہارے ساتھ لگا دوں گی۔“ وہ غلوں سے بولیں تو وہ انکار نہ کر سکی۔

دوسرے روز جب وہ ان کے گھر گئی تو انہوں نے احتشام کے ساتھ اسے بازار بھیج دیا۔ احتشام نے کتنے دنوں بعد اسے دیکھا تھا تھا ہیں

سیراب ہی نہیں ہو رہی تھیں۔

”کل آپ نے انکار کر کے اچھا نہیں کیا ہے، کیا تھا اگر آپ میری ہم سفر بن جاتیں۔“ وہو نے لہجے میں بولنا تو کل کی نگاہیں اپنے ہاتھوں کی لکیر پر جم گئیں وہ اسے کیا آس دلاتی بہن کا دکھ دل چیرے جارہا تھا جو مردوں کی طرح خاموش اور سرد ہو گئی تھی۔

رباب کی سسرال کی طرف سے آئی شاہانہ بری دیکھ کر سب خواتین کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رو گئیں سلوٹ اورنگی نے دلاسو دیا تھا۔

”بھائی کے ارمان تو نکلنے دیں بعد میں دیکھئے گا۔“ وہ مکاری سے ہنسی تو ان کے دل کو اطمینان ہوا۔ زیادہ مہمانوں کو نہیں بلا گیا تھا صرف ٹڑکے والے کے قریبی رشتہ دار تھے اور ادھر رباب کی طرف سے سب گھر والے تھے پھر بھی ہر فنکشن اراچ کیا گیا تھا۔

کل رباب کے تیلے بالوں کو ڈرائر سے سکھا رہی تھی مہندی اس نے رات ہی میں اس کے ہاتھ پاؤں پر لگا دی تھی رباب کو سہانے کے لیے ٹڑکے نے بیوٹی پارلر میں بیٹھ کر واڈی تھی مگر کل نے کہا تھا کہ میں خود اپنی بہن کو تیار کروں گی سب مان گئے تھے ویسے اسے نہیں سجانے کا تجربہ تھا پر آج اپنی بہن کو سجاتے ہوئے اس کا دل خون ہوا جارہا تھا وہ رباب کو ایک عیاش قاتل کے لیے سجا رہی تھی جو شہدل اور ظالم بھی تھا۔

”رباب رو لو جی بھر کر رو لو تا کہ اندر کی آگ بجھ جائے۔“ وہ ڈرائر دکھ کر دوڑا تو اس کے سامنے چہنہ گئی اُف رباب کی خالی خالی نگاہوں نے اس کی ریڑھ کی ہڈی میں سر دھیر دوڑا دی۔

”رباب رو لو آخری بار رو لو۔“ اس نے اس کے ہاتھ تمام لیے اس کی بے بسی پہ کل بے اختیار اس کے گھٹے لگ گئی وہ بہن کو دیوانہ وار پیار کر رہی تھی کہ شاید یہ پتھر پھل جائے مگر رباب سوچی آنکھیں لیے ہنسی رہی جب نکاح کے وقت تیار ہوئے چچا اور چھوٹے چچا مولوی صاحب کے ساتھ اس کے پاس آئے تو تیار کرنے بے اختیار رباب کو اپنی آغوش میں سیٹ لیا تھا انہیں یوں لگا جیسے کوئی گلیشیر ہے جو انہوں نے گھٹے لگایا ہے چچا واحد اور چچا اسرار نے بھی باری باری سر پر ہاتھ پھیر کر دعائیں دی۔

کھانے کے بعد رباب کو باہر لاکر بٹھایا گیا دولہا کا بڑا ایڑا جو تقریباً آٹھائی سال کا تھا وہ بھی باپ کے ساتھ آیا ہوا تھا کل نے پہلی بار اپنے بہنوئی کو دیکھا تھا کیونکہ وہ کسی بھی فنکشن میں نہیں گئی تھی اسے یوں لگا کہ اگر وہ گئی تو پیچھے رباب خود کو کچھ نقصان نہ پہنچالے۔ اس ڈرنے اسے وہاں جانے سے باز رکھا تھا۔ سفید کز کزاتے شلوار سوٹ، منہری کھسے اور مضبوط جسامت سمیت وہ اسے بہت بلکہ بہت ہی اچھا لگا اس کے ہارے میں سنی گئی تمام ہاتھیں اسے جھوٹ لگ رہی تھیں وہ اتنا شاعر سا مرد بھلا کیسے قاتل ہو سکتا ہے اس کی مسکراہٹ بھی غصہ کی تھی اس پہ اس کے بیٹے کا اسٹائل آفت تھا۔ عریض، عطیہ، موموسب کے شوہر اس کے مقابلے میں ایویں سے لگ رہے تھے یوں لگ رہا تھا جیسے وہ کسی ریاست کا بے تاج بادشاہ ہے وہ کہیں سے بھی بچوں کا باپ نہیں لگ رہا تھا ہاں رباب سے وہ نو دس برس بڑا ضرور تھا۔

”بڑی بہن کے بجائے چھوٹی کی شادی پہلے کیوں ہو رہی ہے حالانکہ ٹڑکا بڑی بہن کے جوڑ کا ہے۔“ کسی مہمان خاتون نے آمنہ سے سوال کیا۔ یہ عطیہ کی ساس کی دور پرے کی رشتہ دار تھیں۔ انہیں اس معاملہ پہ حیرت ہوئی ہی تھی۔

”ہات دراصل یہ ہے کہ عیب دار کے لیے عیب دار اور مومنہ کے لیے مومن“ آمنہ نے قہقہہ لگایا تو وہ انہیں دیکھنے لگیں۔



"بڑی بہن بھی کم نہیں ہے" رخصت نے رازدارانہ انداز میں بتایا۔ لوگوں کی اکثریت پوچھ رہی تھی کہ بڑی کے بجائے چھوٹی کی شادی کیوں ہو رہی ہے۔ رہاب بیرون آف وائنٹ کا سی نیشن کے راجستھانی سوٹ میں بے پناہ حسین لگ رہی تھی اس کی نو عمری اور معصومیت نے اسے عجیب سا نکھار دے دیا تھا کل نے بڑی مہارت سے اس کا میک اپ کیا تھا ہر ایک کی زبان پر تعریفی کلمات تھے۔ محل نے دودھ پلائی کے بعد بہنوئی سے کوئی ٹیگ وغیرہ طلب نہیں کیا جس پہ اسے خاصی حیرت ہوئی وہ خالی گھاس لے کر اندر عتاب ہو گئی تھی اس کا بیٹا سلجوق بہن کو بڑے اشتیاق سے دیکھے جارہا تھا ہار ہار وہ اس کا چہرہ چھوتا اور اس کی کلائی میں بڑی چوڑیوں کو چھینرتا۔

رخصتی دیر سے محل میں آئی محل نے بڑی مشکل سے خود کو روکنے سے روکا ہوا تھا۔ ریحان اور چھوٹے چچا نے اسے سہارا دے کر گاڑی میں بٹھایا۔ محل کی آنکھیں سمندر ہوئی جا رہی تھیں۔ "فی امان اللہ" جاتی گاڑی کو دیکھ کر اس کے لبوں سے نکلا۔

☆☆☆

# پاک سوسائٹی

## ڈاٹ کام

بے زمین لوگوں کو  
بے قرار آنکھوں کو  
بد نصیب قدموں کو  
جس طرف بھی لے جائیں راستوں کی مرضی ہے

بے نشان جزیروں پر

بدگمان شہروں میں

بے زباں مسافر کو

جس طرف بھی بھٹکاویں راستوں کی مرضی ہے

اجنبی کوئی لا کر

ہم سفر بٹا ڈالیں

یا مسافرتیں ساری

خاک میں ملا ڈالیں راستوں کی مرضی ہے

اجنبی کوئی لا کر ہم سفر بٹا ڈالیں

ساتھ چلے والوں کی

راکھ بھی اڑا ڈالیں

یا مسافرتیں ساری

خاک میں ملا ڈالیں

راستوں کی مرضی ہے

پھولوں سے بھی راہداری سے گزر کر سلوط اور قلعین اسے اندر لے آئیں۔

اندھ کرہ بھی گلابوں کی خوشبو سے مہک رہا تھا کہیں کہیں موہے کی اودھ کھلی گلیاں بھی نظر آ رہی تھیں سامنے والی دیوار پر گلاب اور موہے کے

پھولوں کو ہا ہم ملا کر دل کی شکل پر ان دونوں کا نام لکھا گیا تھا کرے کی سجاوٹ کو دیکھ کر کہیں کے اعلیٰ ذوق کا اندازہ لگایا جاسکتا تھا۔

”میں سلطوق اور ہانی کو لے کر جا رہی ہوں اب صبح ملاقات ہوگی“ سلوط چلی گئی تھی بھی اس کی ضرورت کی چیزیں ڈریسنگ روم میں چھوڑ کر

رخصت ہو گئی، جانے سے پہلے اس نے رہاب کو زبردستی کھانا کھلایا تھا۔ اس نے بیڑہ کراؤن سے ٹیک لگا کر آنکھیں موند لیں وہ بن سوچوں کے

# سوسائٹی داٹ کام

جزیرے میں غوطے کھار ہاتھ اوڑھ چکی قدموں کی آہٹیں اسی کمرے کی طرف آرہی تھیں وہ سیدھی ہوئی کمرے کا دروازہ کھلا اور وہ اندر داخل ہوا۔

”میں ذرا فریٹش ہو جاؤ پھر بات کرتے ہیں۔“

لحہ بھر کو وہ بیڈ کے قریب ٹھہر کر مڑ گیا رباب کو بھی بیوی کے قاتل اور درندہ صفت شخص کو دیکھنے کی خواہش تھی کیسا تھی دارمختص تھا ایک کو مار کر دوسری لے آیا تھا شاید کل دوسری کو مار تیسری لے آتا اس نے خیال نے اسے خوفزدہ نہیں کیا تھا گزشتہ تین چار ماہ سے اس نے خوف کے وہ نئے نئے نمونے دیکھے تھے کہ اب خوف کا لفظ ہی اس کے لیے بے معنی ہو گیا تھا خوف کی اندھی تاریک گھاٹیوں میں پڑے پڑے اس کا ذہن روشنی سے اکٹھا نہ رہتا تھا۔ کمرے میں کسی زبردست سے پرلحوم کی خوشبو پھیلی جو دواش روم سے برآمد ہونے کے بعد اس نے اپنے اوپر چھڑکا تھا۔

”میں نے سوچا آپ پر پہلا امپیریشن اچھا پڑنا چاہئے“ اس نے تکیہ اٹھایا اور پیچھے بیٹھ کر کے اس کے سامنے بیٹھ گیا۔ رباب کو اس کی آواز جانی پہچانی سی لگی پر اس کا ذہن درست جواب نہیں دے رہا تھا۔

”سب ہی کہہ رہے تھے کہ وہ بہن بڑی بیکاری ہے اور تو اور میرا بیٹا سلوک بھی کہہ رہا تھا کہ میا دو بہن اے دن ہے“ اس نے شریہ لہجے میں بولتے ہوئے رباب کا زہر آرائی کھسکایا۔

”اوہ ٹوڈس از امپاسل“ سبکدوش کے منہ سے نکلا اس کی یادداشت اتنی خراب بھی نہیں ہوئی تھی کہ تین چار ماہ قبل تھانے آنے والی لڑکی کو بھی نہ پہچان پاتا اس کو اس نے لیوہان چہرے کے ساتھ بھی پہچان لیا تھا آج کیا مشکل تھی رباب نے آنکھیں کھول دیں سامنے حقیقت بڑا وہ جلاو صفت ڈی ایس پی تھا جس کے بید کی ضرب کا نشان ابھی تک اس کی پشت پر موجود تھا۔

”تو یہ تم ہو“ وہ غرٹ سے بولا۔

”اوہ میں بھی جان گئی ہوں کہ یہ تم ہو“ رباب کا دل اس سے بھی زیادہ غرٹ سے بولا۔

”میں اپنی خواہش سے نہیں آئی ہوں لائی گئی ہوں“ وہ ابھکا سنبھالتی نیچا تری اس کے پاؤں کی پائل سنگنائی چڑیاں بچا لھیں۔

”سنو ساتھ ہی دوسرا کمرہ ہے وہاں سو جاؤ“ وہ جانے کیا سمجھ رہا تھا بول پڑا۔

”میں باہر ہی جا رہی تھی“ وہ مڑی اس کی کمر میں شاخ گل کی سی ٹپک تھی۔ وہ اس اتفاق پہ خوش نہیں لگ رہا تھا وہ لڑکیوں پر اسے الشاں اور خمار کا گمان ہوا تھا وہ بارہ پھر وہ اس کے سامنے ہی نہیں آئیں۔ اس روز جب وہ چلا گیا تھا تو بعد میں انکسپکٹر مراد نے اسے بتایا کہ لڑکیوں کی بیک بہت مضبوط تھی وہ چلی گئی تھی اُسے بہت غصہ آیا تھا اس کا خیال تھا کہ ان پکڑے جانے والے لڑکے لڑکیوں سے ویڈیو مافیا کے خلاف اہم مواد اور کلیوٹل سکتا ہے مگر مراد نے اسے ان کے چھوڑے جانے کی خبر سنا کر بدحوہ کر دیا تھا حالانکہ ان کی رہائش گاہ سے اچھی خامی تعداد میں ویڈیو فلمیں برآمد ہوئی تھیں۔ یہ ویڈیو مافیا ہر طرف چھائی ہوئی تھی خاص طور پر نوجوان نسل ان کا ٹارگٹ تھی سکول و کالج جانے والے لڑکے مکمل طور پر ان کے چنگل میں پھنسے ہوئے تھے ماں باپ سمجھتے تھے کہ چنا سکول گیا ہے اور قوم کا یہ نونہال پانچ دس روپے دے کر ایک گھنٹہ سے تاریک کمرے میں بیٹھا اپنی روحانی پالیدگی کو زہر آلود کر رہا ہوتا سکول و کالج میں حاضریاں کم اور ان مٹی سینما گھروں میں جو گلی گلی اور محلے میں واقع تھے لڑکوں کی حاضریاں زیادہ ہوتیں کسی کو احساس

ی نہیں تھا کہ نوجوان نسل تباہی کی آخری انجنا پر جارہی ہے ان قسموں کی بدولت نوجوانوں میں نئی نئی تیاریاں پیدا ہو رہی تھیں آنکھوں سے شرم و حیا رخصت ہو رہی تھی دل سے احترام آدمیت اور انسانیت کا در و ختم ہوتا جا رہا تھا خواتین کی عزت کی کوئی اہمیت ہی نہیں رہی تھی۔

لڑکے تو لڑکے اب لڑکیاں بھی کسی سے پیچھے نہیں رہی تھیں محلے کی برویڈ یوشاپ سے دس سے پندرہ روپے دے کر وہ بھی یہ قلم دیکھ سکتی تھیں اس مافیائے لڑکیوں کو بھی اپنی پلیٹ میں لے لیا تھا ماں باپ بے فکر تھے انہوں نے کبھی سکول یا کالج جا کر اپنے بچے اور بچیوں کی تعلیمی سرگرمیوں کے بارے میں نہیں پوچھا تھا کبھی راتوں کو اٹھ کر یہ معلوم کرنے کی کوشش نہیں کی کہ وہ دو بجے تک ان کے بچے کو نسا پروگرام دیکھ رہے ہیں کتابیں آگے رکھ کر کمرہ بند کر کے کو نسا کھیل کھیل جا رہا ہے وہ کالج ٹائم سے لیٹ کیوں آتے ہیں اس کا حکم دعو نامائی کلاس کے لڑکے لڑکیاں تھے یا جن کی جیب میں زیادہ پیسہ تھا کسی کے پاس وقت ہی نہیں تھا جو یہ معلوم کرنے کی کوشش کرتا کہ بچوں کی دوستی اور اطمینان میں کس قسم کے لوگوں کے ساتھ ہے یہ آئے روز جیب خرچ بیڑھانے کا مطالعہ کیوں کیا جا رہا ہے؟ کسی کو کیا خبر کہ اولاد و کسبائے اسٹری کی آز میں کیا کر رہی ہے ایک تباہی جھی جوائنٹیم سے بھی زیادہ تباہ کن تھی۔ سائنس نے بہت ترقی کی جو ممالک ترقی کے زینے طے کرتے گئے ان کے ہاں اخلاق کا معیار بھٹکا گیا۔ کسی نے نوجوانوں کی اخلاقی ترقی پر زور نہیں دیا نہ ریسرچ کی کہ اس اخلاقی تباہی کی کیا وجوہات ہیں معاشرہ و دن بدن زمانہ قدیم کے غاروں کا منظر پیش کر رہا تھا اس کی ایک وجہ مذہب سے دوری اور والدین کی چھوٹ تھی سارا گھر حڑے سے غیر ملکی قلم دیکھ رہا ہے درمیان میں عشاء کی اذان ہوئی کسی نے نماز پڑھنے کی ضرورت محسوس نہیں کی بھائی بہن ماں باپ سب محو ہیں قلم میں والدین تو اولاد کے لیے نمونہ عمل ہوتے ہیں خود بچوں کے لیے اچھے کام کر کے مثال نہیں بننے بچے کہاں سے اچھے کام سیکھیں حدیث شریف میں ہے کہ:

”بچہ جب سات سال کا ہو تو اسے نماز سکھاؤ اور دس سال تک اگر وہ نماز نہ پڑھے تو اسے مار مار کر پڑھاؤ۔“

سات سال کے بچے سے کسی بھی میر و میر و دن کا نام پوچھ لیں وہ فر فر مٹائے گا پراسے نماز کی رکعتیں یاد نہیں ہوں گی دس سال کا ہو کر وہ حڑے سے قلم دیکھ رہا ہے کوئی اسے مار کر نماز نہیں پڑھا رہا ہے مائیں بڑے فخر سے مانتی ہیں۔

”میری نو سالہ بچی تو بالکل غیر ملکی میر و دن کی طرح چلتی ہے“

لڑکے لڑکیوں کے ہاتھوں میں تیس تیس روپے کی گانوں کی کیٹیں ہوتی ہیں جو وہ فخر سے دوستوں کو دکھا رہے ہوتے ہیں کہ ہم نے کل ہی خریدی ہے کسی کے ہاتھ میں ڈھونڈنے سے بھی اسلامی کتاب نظر نہیں آئے گی قصور آخر کس کا ہے؟

سینکڑوں کو بہت فخر آیا تھا دل تو یہی چاہ رہا تھا کہ ابھی وہ لڑکیاں دو بارہ سانسے آجائیں تو وہ مار مار کر بھر کس نکال دے۔ لڑکیاں بھی تو اپنی حدود پار کر گئی تھیں۔ ان میں سے ایک لڑکی کئی ستنی بے تکلف ہونے کی کوشش کر رہی تھی۔ جسٹ اسے آفر کر دی تھی پر جانے کی کوشش کی تھی وہ تینوں میک اپ کئے حسن و خوبصورتی کے تمام ہتھیاروں سے لیس تھیں ہاں وہ چوتھی لڑکی میک اپ سے مبرا تھی اس کا لباس بھی شریفانہ تھا سنو ڈنس والا طیلہ تھا چہرے پر المیزانے کی تازگی تھی۔ مصمصیت تھی پکا پن نہیں تھا جو باقی تین لڑکیوں کے چہرے پر تھا بہر حال تھی تو وہ بھی ان کی ساتھی جس کے بارے میں وہ تینوں کہہ رہی تھیں کہ وہ اپنے دوست کے ہمراہ ریوالور دکھا کر انہیں زبردستی لے گئی تھی۔

پھر اسے باجھل میں لبوہان دیکھ کر وہ حیران بھی ہوا تھا مگر اسے رحم ہرگز نہیں آیا تھا کیونکہ وہ رحم کے قابل بھی نہیں تھی اور آج وہی لڑکی زندہ، تلخ حقیقت بنی سامنے تھی کیا وہ بالکل ہی آنکھیں بند کئے ہوئے تھا جو وہ آرام سے اس کی ہم سفر بن گئی تھی کم از کم ایک بار وہ اسے دیکھ ہی لیتا یوں بڑا دھوکہ نہ کھاتا کیا بھری دنیا میں یہی لڑکی اس کے لیے بچی تھی جو خوش للہیں دیکھنے اور اخلاق سوز حرکات کے التزام میں کچڑ کر لائی گئی تھی۔ اسے سلوٹ اورنگی کے آگے یوں سرنگوں نہیں ہونا چاہئے تھا ہانی اور سلوٹ کا کیا تھا بل ہی جاتے پردہ یوں کڑوا گھونٹ پینے پر مجبور تو نہ ہوتا۔

ہمارا کیا ہم ٹھہرے

بڑے ناداں بڑے بے حس

سدا جو درد سے بوجھل

بہت وحشی بہت خود بین

بس اپنے کرب سے واقف

کہاں فرست کہ ہم سوچیں

کسی کے درد کو کھوچیں

کسی کی ہم کو کیا پروا

کسی کے غم سے کیا رشتہ

ہمارا دل نہیں رکتا

بہت طوقان جھیلے ہیں

# سوسائٹی

## طراط کام

ویسے کے کارڈز چونکہ پہلے ہی چھپ کر تقسیم ہو چکے تھے اس لیے بنگلین کو یہ تقریب اہتمام سے منانی پڑی اس کی سابقہ سسرال میں سے ایک شخص بھی نہیں آیا تھا۔ بنگلین کے کو لیک اور ان کی بیگمات اسے مبارکباد دے رہی تھیں۔

"خاصی خوبصورت اور کم عمری ہی تمہاری دلہن۔" مسز اسمل نے بنگلین کی طرف دوئے سخن کیا۔

"ہوں" اس نے ہوں پر استعا کیا۔

"بچوں کو سنبھال لے گی۔" یہ مسز راحت تھیں۔

"تم تو بڑے لگی ہو دوسری بار اتنی پیاری سی لڑکی ملی ہے ہمیں تو پہلی بار بھی....." اسمل نے وہائی دی تو مسز اسمل نے انہیں گھور کر

دیکھا وہ خاموش ہو گئے۔

رقیہ، آمنہ، رفعت، بنگلین کے ملنے جلنے والوں سے مرعوب سی دکھائی دے رہی تھیں مگر بھی اتنا زبردست اور رئیسوں والا تھا ان کا خیال

تھا کہ وہ رشتہیں لیتا ہے ورنہ ایک ڈی ایس پی کی خواہ ہوتی ہی کتنی ہے جو وہ اتنی سی عمر میں ایسا عایشان گھر بھی بنا لے بہر حال وہ درباب کی تہائی کی

کھنکھرتے اتنا کچھ ہو جانے کے بعد بھی انہیں چین نہیں آیا تھا۔ کل رباب کے چہرے پر کچھ تاش کر رہی تھی۔ وہاں سنانے کے سوا کچھ نہیں تھا شاہانہ جوڑے اور قیمتی جیوہری پہننے کے ہاں جو وہ سو گوار لگ رہی تھی یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے شیرازی کے جسم کی کچھ سونیاں ابھی نہیں نکلی ہیں پھر اس نے سبکیگین کے چہرے کو کھوجا جو دوستوں کے گھرے میں قہقہہ بکھیر رہا تھا وہاں ایک آسودگی کا خمار تھا جیت کا نشہ تھا۔

”رباب یہ قوف بھی تو بہت ہے۔“ اس نے دل کو تسلی دی تھی۔

جب سب کھانے کے لیے چلے گئے تو تب وہ اس کے قریب آئی رباب کی اکاوا اپنی ہتھیلی پر مکی مہندی کے نقش و نگار میں ابھی ہوئی تھی۔ وہ کل سے بڑھ کر حسین لگ رہی تھی مگر اس کے حسن میں پراسراریت اور سو گواریت رہتی ہوئی تھی۔

”رباب کیسا نفل کر رہی ہو۔“ اس نے چاہت سے اس کے ہاتھ تھامے۔

”میرے پاس محسوس کرنے والی حس ہوگی تو محسوس کروں گی ناں۔“ اس نے عجیب سا جواب دیا اسنے میں اس کی دوسری کزنز بھی قریب آگئی تھیں۔

”رباب دکھاؤ تو ذرا رونمائی میں کیا ملا ہے۔“ مومو اور عریضہ اس کے دائیں بائیں بیٹھ گئیں۔

”مجھے دو ملا ہے جو کم از کم آپ کو نہیں ملا ہوگا۔“ اس کے لہجے کی کاٹ بہت شدید تھی۔

”ری جل جلی بل نہیں گیا۔“ مومو طنز پر لہجے میں بولی تو کل کسی نئی لڑائی کے خیال سے گھبرائی۔

”پلیز مومو مہمانوں اور موقع کی نزاکت کا ہی دھیان کر لیں۔“ وہ قیمتی انداز میں بولی کیونکہ سبکیگین اور عریضہ آ رہا تھا شاید بلوق اس کی انگلی تھامے ہوئے تھا وہ پھر کمرے کی طرف مڑ گیا تھا۔

سب مہمان رخصت ہو گئے تھے۔ سبکیگین اکیلا کھڑا تھا کل اس کے قریب چلی آئی۔

”بھائی جان رباب بہت حساس ہے اس کا خیال رکھئے گا کہ کہیں اسے کوئی ٹھیس نہ لگ جائے امی جب زندہ تھیں تو کبھی اسے سخت لہجے میں ڈانٹا تک نہیں، میں آپ سے بھی یہی توقع رکھوں گی۔“ اس کے لہجے میں بے پناہ یقین تھا۔

”اچھا اندر تو چائیں کل بیٹہ کہ باتیں کرتے ہیں۔“ اس نے موضوع بدل دیا اور اسے رباب کے پاس لے گیا جو بیٹھی چوڑیاں اتار رہی تھی۔

”اونیو ابھی نہیں۔“ اس نے بہن کو رد کیا۔

سبکیگین بھی ان دونوں کے سامنے بیٹھ گیا کئی کچن میں چائے بنا رہی تھی سبکیگین نے جی اسے کہا تھا۔

”رباب ہم نے تمہارے لیے جو راستہ چنا ہے اسے کبکشاں مانا تمہاری ذمہ داری ہے کسی کی باتوں میں مت آنا سبکیگین بھائی بہت اچھے ہیں اور بھائی جان ہمارے اس طوطے کا بہت زیادہ خیال رکھئے گا۔“ وہ ماحول پہ چھائی بخجید کی تصدیق توڑتے ہوئے رباب کا پیار کا نام ظاہر کر گئی جس پر اسے بہت غصہ آیا کہ بھلا کیا ضرورت تھی اسے یہ نام بتانے کی۔

”جیسے آپ کا حکم ویسے بھی مجھے غم ہے کہ آجیجئے تھیں کتنے سے ٹوٹ جاتے ہیں۔“

بجلی نے تشکر سے اسے دیکھا۔

”لو بھئی اپنی امانت اس نے تو جان عذاب میں کر رکھی تھی۔“ سلوط نے چار ساڑھے چار ماہ کا ایک خوبصورت اور صحت مند سا بچہ اس کی گود میں ڈالا۔

”دو لہن آئی یہ بانی ہے میرا بھائی بیا رہا ہے ناں۔“ سلوط نے پوچھا سلوط اور گئی اس کے دو لہن آئی کہے جانے پہ بڑی ہو گئیں۔

”نہیں آئی انکل کہتے ہیں یہ ممانہیں آئی ہیں تمہاری۔“ سلوط نے اپنی دانست میں بڑے پتے کی بات کہی۔

”لو کب کہا اس نے تمہیں ایسا۔“ گئی کے ماتھے پر ہل پڑ گئے تھے۔

”آج صبح کہا تھا۔“ سلوط نے بتایا تو باب اس کی مستندی پر تاؤ کھا کر رو گئی لو بھئی محصوم بچے کو یہ حقیقت بتانے کی کیا ضرورت تھی کہ وہ

اس کی ماں جیسی ہے سلوط کا کیا انکل کہنے کا بھی انداز خوب تھا سب نوکتے تھے پروہ باز نہیں آتا تھا وہ چٹکے چھوڑتا کہ وہ حیران رہ جاتیں۔

سب چلے گئے تھے باب نے کپڑے نہیں بدلے تھے اپنی زور زور سے چلا رہا تھا اور انگوٹھا منہ میں ڈالے چوس رہا تھا یقیناً اسے بھوک لگی ہوئی

تھی، اسے بستر پہ لٹا کر سلوط کو اس کا خیال رکھنے کی ہدایت کر کے وہ بھگم بھگم کچن میں آئی سیریلک کا ڈبہ سامنے کاؤنٹر پہ پڑا تھا بانی کی جینیں اور بھی

بلند ہوتی جا رہی تھیں۔ اس نے ہلکلاہٹ میں فریج سے دودھ نکالا اور سارا جگ جگالے میں الٹ دیا۔ خیال بھر جانے کے بعد دودھ باہر نکل کر گرنے لگا پر

اس وقت اسے ہوش نہیں تھا۔ اس نے ایک اور خیال نکال کر اس میں سیریلک کے چارو چھپے ڈالے اور دودھ کس کرنے لگی۔ جب دودھ اٹس کرے میں آ رہی

تھی تو شرارے میں الجھ کر گرتے گرتے بچی دو پینتھن سے چھڑا کر اس نے وہیں باہری پھینک دیا۔ بانی بے تاب سے ہاتھ پاؤں مٹا رہا تھا۔

”دو لہن آئی بھائی کافیڈ ریجک میں پڑا ہوا ہے آئی دے کر گئی تھیں۔“ سلوط نے شولڈر پرک سے اسے بانی کا فیڈر نکال کر دکھایا۔

وہ آدھا کھار رہا تھا اور آدھا اس کے کپڑوں پر گر رہا تھا۔ بیکٹین یہ مہر دیکھ کر اخذ آ گیا۔ بانی کھا کر ہر سکون ہو چکا تھا اور وہیں اس کی

آغوش میں لڑھک گیا تھا۔ وہ بھی صوفے پر آرام دہ اسٹائل میں بیٹھی ہوئی تھی۔ بانی کو اس کی نرم نرم آغوش میں اور اسے بانی کے محصوم وجود میں پناہ

مل گئی۔ تھوڑی دیر بعد وہ بھی سو رہی تھی۔ سلوط بیکٹین کی گود میں بیٹھا اس کے کان کھار رہا تھا۔

”آؤ پارہم بھی سوتے ہیں۔“ دو اٹھا تو اس نے روک لیا۔

”اتنی جلدی۔“ وہ غصکا۔

”میں رات سے جاگ رہا ہوں صبح سے مہمانوں کے ساتھ لگا ہوا ہوں، ابھی بھی جلدی ہے۔“ وہ سلوط کو سمجھاتے ہوئے بولا تو اس نے

فورا سر ہلایا جیسے اس کی سمجھ میں آ گئی ہو۔

دوسرے دن بھی بیکٹین گھر پر تھا۔ تینوں وقت کا ناشتہ کھانا سلوط کی طرف سے آیا تھا وہ کھانا کھا کر برتن کچن میں چھوڑ کر آئی۔ سلوط اس

کے ساتھ ساتھ تھا۔ وہ اس کے ساتھ ہی کمرے تک آئی۔ سلوط تو باپ کے پاس ہی سوتا تھا۔ بانی کا کمرہ الگ تھا۔ اس کے کمرے میں ایک بے بی کات کے علاوہ جہازی سا نرڈل بیڈ بھی بچھا ہوا تھا۔

”سلہوق کس کے پاس سوؤ گئے؟“ اس نے پوچھا۔

”آپ کے پاس۔“ وہ بلا تامل بولا۔ رہاب نے بے بی کاٹ میں سوئے ہانی کو اٹھا کر بیڈ پر لٹایا اور پانکسی پر پڑا کبل کھول کر اسے اوڑھایا۔ سلہوق کے کپڑے بدلوانے کے بعد وہ خود بھی ہاتھ منہ دھونے واش روم میں گھس گئی۔ تو لیے سے منہ نکٹ کرتی وہ باہر نکلی تو ٹھٹک گئی۔ سہتکین بیڈ پر جھکا سوئے ہوئے ہانی کو پیار کر رہا تھا۔

”چپا نکل ہم تو دولہن آتی کے پاس سوئیں گے آپ کہیں سوئیں گے؟“ سلہوق نے اسے یوں اطلاع دی جیسے کہہ رہا ہو کہ اب آپ کیا کریں گے؟

وہ باہر نکٹ گئی چند منٹ بعد واپس آئی کہ شاید وہ چاچکا ہو گروہ تو وہیں تھا اتنے میں فون کی بیل بجے لگی تو وہ اٹھ کر سننے چلا گیا۔ رہاب نے دروازہ بند کیا اور کبل میں گھس گئی۔

صبح اس کی آنکھ ہانی کے رونے سے کھلی وہ اسے ساتھ اٹھائے کچن میں آگئی جہاں سہتکین پہلے اسے ہی موجود تھا۔ وہ ٹیبل پر بیٹھا چائے پی رہا تھا اسے نظر انداز کرتے ہوئے رہاب نے فریق سے دودھ نکالا۔ ابچے چلے جانا مسئلہ تھا کیونکہ ہانی اس سے الگ ہونے کے لیے تیار نہیں تھا وہ ماچس ڈھونڈ رہی تھی کہ ہانی چلنے لگا۔ وہ باپ کے پاس جانے کی ضد کر رہا تھا سہتکین نے اسے لے لیا تو رہاب نے ہانی کے لیے دودھ گرم کیا اس کا فیڈر دھویا۔ دودھ ٹھنڈا کر کے بوتل میں بھرا۔

”اسے پیچھے دے دیں۔“ دودھ ہیں جھکائے اس کے قریب آگئی۔

”اس میں اتنا سہنے کی کیا ضرورت ہے۔“ سہتکین نے ہانی کو اس کے بازوؤں میں دینا چاہا پر وہ شاید شرارت کے موڈ میں تھا باپ کے سینے میں منہ چھپانے لگا۔

”ہانی یہ دیکھو۔“ رہاب نے اسے فیڈر دکھایا تو وہ رام ہو گیا۔ وہ اسے لے کر اندر آگئی۔ دودھ پی کر وہ پھر سو گیا۔ اسے میں سلہوق بھی اٹھ گیا۔ وہ اس کے ساتھ دوبارہ کچن میں آگئی اور چائے کا پانی رکھ کر آلیٹ بنانے لگی۔ جب تک چائے تیار ہوتی اس نے سلاکس بھی سینک لئے۔

”دولہن آتی میں پراٹھا کھاؤں گا۔“ سلہوق نے فرمائش کر دی اسے میں سہتکین بھی چلا آیا۔ نہایا دھویا خوشبوؤں اور آفرشیو لوشن کی تازگی میں بسا وہ کرسی چھٹ کر سلہوق کے برابر بیٹھ گیا رہاب نے جیسے جیسے اس کی فرمائش پوری کی کیونکہ اسے پراٹھا زیادہ اچھا نہ تھا نہیں آتا تھا۔ گرم گرم چائے کا قہر ماس رکھ کر جانے لگی تو سلہوق نے ننھے ننھے ہاتھوں سے اس کا آنچل قہام لیا۔

”دولہن آتی آپ بھی میرے ساتھ ناشتہ کریں ناں۔“ اس کی معصوم سی فرمائش وہ روند کر سکی۔

دل مضبوط کرتی وہ نک گئی۔ جب وہ برتن سمیت کر نکٹ رہی تھی تو وہ تیار تھا۔ ڈیوٹی پر جانے کے لیے سلہوق گاڑی تک اس کے ساتھ آیا سہتکین اسے پیار کر کے رانڈنگ سیٹ پر جا بیٹھا وہ اندر چلی گئی۔ ادھر وہ نکلا ادھر سلوٹ آگئی وہ اسے غور سے دیکھ رہی تھی۔ رہاب کو الجھن سی ہونے لگی۔

”ناشتہ کر لیا ہے۔“ اس نے سوال کیا تو رہاب نے اثبات میں سر ہلایا مگر وہ ادھر ادھر کی باتیں کرنے لگی۔



”بھائی کارو یہ کیا ہے تمہارے ساتھ، ویسے خوش فہمی میں مت رہنا کچلی بیوی کو تو اس نے ترسا ترسا کر مارا ہے۔“ وہ سرگوشی میں بولی تو رہا باب عجیب سا محسوس کرنے لگی۔

گھر صاف کر کے اس نے سلق اور بانی کے کپڑے بدلے پھر دوپہر کے لیے کھانا بنانے لگی وہ اب خود قادرؔ ہو کر ہانوں میں برش کر رہی تھی کاموں میں ایسی کتنی تھی کہ کتنی کرنے کا تاہم ہی نہیں ملا۔

فون کی تیل مسلسل بج رہی تھی اس نے سلق کو اٹھانے کا اشارہ کیا۔

”پپا انگل ہیں آپ کو بار ہے ہیں۔“

”کبہ دو میں نہیں ہوں۔“ سلق نے جوں کا توں کبہ دیا کہ وہ کبہ رہی ہیں میں نہیں ہوں۔ بہت تین چ کر رہ گیا۔

☆ ☆ ☆

”ڈارنگ یہ تمہاری نئی مچی ہیں“ پپا نے پیار سے اس کے رخسار چھو کر اپنے ساتھ کھڑی ایک پیاری سی عورت کا تعارف کرایا تو بہت تین نے

سراو پراٹھایا۔

”پپا میری مچی اللہ کے پاس چلی گئی ہیں اور جو اللہ میاں کے پاس چلے جاتے ہیں وہ واپس نہیں آتے، آپ نے خود مجھے بتایا تھا۔“ وہ

ناراضگی سے بولا تو انصرؔ فرزند کو دیکھ کر رہ گئے۔

”بیٹا یہ نئی مچی ہیں پرانی والی اللہ کے پاس ہیں یہ اب ہمارے ساتھ رہیں گی کیوں فرزند اب تم ہمارے ساتھ رہو گی ناں۔“ انہوں نے تائید

چاہی تو اس نے اثبات میں سر ہلایا۔

”مگر میں ان کے ساتھ نہیں رہوں گا یہ گھر میرا آپ کا اور پرانی مچی کا ہے۔“ بہت تین نے یکا یک بغاوت کر دی یوں اول روز سے ہی فرزند

اور چار سال بہت تین میں ٹھن گئی۔

انصرؔ شبانہ کی وفات کے چار ماہ بعد ہی فرزند اسے شادی رچا بیٹھے تھے جس کا شبانہ کے ماں باپ کو بے حد قلق تھا اس کے بیرون ملک مقیم بہن

بھائیوں نے بھی ناراضگی کا اظہار کیا تھا کہ ابھی تو آپنی کا کفن بھی میلا نہیں ہوا ہے۔ فرزند انصرؔ کی پرسل سیکرٹری تھی شبانہ کی موت کے بعد اس نے اپنے

باس کے زخمی دل پر اپنی محبت کا مرہم رکھا بہت جلد انصرؔ بیوی کی موت کا غم بھول گئے اور فرزند کی ہوشربا اداؤں کا شکار ہو کر اس سے شادی کا وعدہ کر

بیٹھے حالانکہ شبانہ سے انہوں نے لو میرج کی تھی جو محبت دوسرے فریق کی جسمانی خوبیوں سے کی جاتی ہے وہ اسی طرح گردواہ ہو جاتی ہے جیسے کہ انصرؔ

نے کیا تھا۔ شبانہ کی وفاتیں اس کے حسن کا جادو اس کے مرتے ہی بیکار ہو گیا تھا۔ وہ فرزند کی زلف گرہ گیر کے اسیر ہو گئے جس کا انجام شادی

پر مکمل ہوا۔ انصرؔ اور فرزند فرج پر جانے کے لیے تیار ہو رہے تھے۔ فرزند اتیار ہو کر باہر لاؤنج میں آئی تو بہت تین ٹی وی دیکھ رہا تھا۔ فرزند کے گلے میں چمکتے

بیروں کے ٹیکسٹس پر اس کی نظر پڑی جو اس کی مچی کا تھا بس مگر کیا تھا وہ دو ذکر فرزند اسے لپٹ گیا اور ٹیکسٹس اس کی گردن سے نوچ کر انگ کر ڈالا۔

”یہ میری مچی کا تھا کیوں پپا آپ نے۔“ وہ سختی سے اسے دبوچے ہوئے تھا اپنے ہم عمر بچوں کی نسبت وہ کافی خاتون تھا غیر معمولی طور پر

صحت مند اور خوبصورت سے سبکدوشی سے فرزا خاں کھانے لگی تھی اس وقت بھی زور زور سے چیخ شروع کر دیا۔ انعرنائی کی ٹاٹ لگاتے لگاتے بھاگے آئے۔  
 ”اس نے مجھے مارا ہے میرا گلا دبا دیا ہے۔“ وہ آنسو بھری نگاہوں سے اس کی طرف اشارہ کر رہی تھی۔ انعر نے زوردار تھپڑا سے رسید کیا وہ  
 صوفے پر جا کر۔

”یہ تمہاری مٹی میں عزت کروان کی۔“

وہ قہر بھری نگاہوں سے اسے گھور رہے تھے پھر انہوں نے محبت سے فرزا کی کمر میں بازو ڈالنا اور اندر لے گئے۔ آدھے گھنٹے بعد فرزا اور  
 انصر دوبارہ جتنے مسکراتے برآمد ہوئے فرزا کے گلے میں وہی نیپکلس تھا۔ سبکدوشی روتے روتے وہیں ہو گیا تھا۔

☆☆☆

سلوک اسے زبردستی سبکدوشی کے کمرے میں لے آیا تھا پھر انہوں نے مصنوعی لڑائی لڑی چلا تھیں لگائیں اور وہیں بیٹھ کر ٹی وی دیکھنے  
 لگے۔ بانی بھی ان کی حرکتوں سے کلف اندوز ہو رہا تھا۔ بار بار فضا میں ناکیں چلاتا اور ٹھٹھک کر کے بنتا۔ سبکدوشی کے آنے کی انہیں خبر ہی نہیں ہوئی وہ  
 تینوں کمرے سے اس کے بیڈ پر بیٹھے تھے۔ رباب کی گود میں بانی تھا دوسری طرف سلوک تھا۔ اس نے ذرا سا دروازہ کھول کر اندر کا جائزہ لیا وہ کارٹونز  
 میں مگن تھے وہ باہر نکلا۔ فریش ہو کر یونٹھارم سے جان چھڑائی اور دوبارہ اپنے بیڈ روم میں آیا۔ دروازہ بند کر کے وہ ان تینوں کی طرف بڑھا۔ سلوک  
 نگاہ ڈال کر دوبارہ کارٹون دیکھنے لگا۔ بانی صاحب بھی بے نیاز بنے رہے اور جوان دونوں کی درمیان تھی وہ تو تھی ہی بے نیاز، سبکدوشی بھی لے کر ان  
 کے پیچھے دروازہ ہو گیا۔ رباب کا ننھا سا دل دھک دھک کرنے لگا۔

”سلوک تم اپنے چپا کے پاس جاؤ میں ابھی آتی ہوں۔“ اس نے بازو کے ساتھ لٹکے سلوک سے سرگوشی کی۔

”نہیں۔“ سلوک نے پیچھے سے آکر دونوں بازو اس کی گردن میں ڈال دیے۔ وہ پیچھے کی طرف اٹھتے اٹھتے ہی یہ شکر تھا کہ بانی بیڈ پر تھا۔  
 اس کا دوپٹہ سبکدوشی کے اوپر جا کر تھا اس کا دل گھبرانے لگا اس نے سبکدوشی کے اوپر سے اپنا دوپٹہ اٹھانا چاہا تو اس نے رباب کا ہاتھ تمام لیا۔

”فون کیوں نہیں ریسیو کیا تھا“ وہ رعب سے بولا۔ رباب کا ہاتھ اس کی گرفت میں پسینے سے بھج گیا۔

”جواب دو۔“ اس کا ہاتھ رباب کی کلائی میں جیسے پیوست ہو جا رہا تھا۔ ”بولتی کیوں نہیں ہو۔“ اس نے جھٹکا دیا تو وہ اس پہ جھک سی گئی۔

”مجھے نہیں پتہ۔“ وہ جان چھڑانے والے انداز میں بولی سلوک اور بانی ٹی وی میں مگن تھے وہ سوچ رہی تھی کہ یہ بہت بے ہاک شخص ہے  
 تھانے میں بھی لکی کے ساتھ اس کا رویہ رباب کو یاد تھا۔

☆☆☆

شادی کے دو ماہ بعد فرزا اپنی مٹی اور پھوپھو کو بھی لے آئی بھول اس کے میرے علاوہ ان کا کوئی پرسان حال نہیں ہے۔ سبکدوشی کے عین  
 سامنے والا کمرہ انہیں دے دیا گیا دوسرا کمرہ اس کی پھوپھو کے بیٹے اور تیسرا ان کی بیٹی کا تھا۔ اسے یہ لوگ بالکل پسند نہیں تھے فرزا کی مٹی بلند آواز میں  
 بولتیں تو اسے یوں لگتا جیسے کوئی جادو کرنی چکھاڑ رہی ہے اس کی پھوپھو کا بیٹا اور بیٹی بھی اسے پسند نہیں تھے۔ حسن چودہ سال کا بڑی مضبوط کاٹھی والا

لڑکا تھا ہر وقت اونچی آواز میں ڈیک سنتا رہتا تھا اس کی بہن بھی وہ سبکیں سے تین سال بڑی تھی جو اس کی سپورٹس سائیکل لان میں دوڑاتی رہتی۔  
 بچا بھی ان کے حمایتی ہو گئے تھے وہ اندر ہی اندر گھنٹا جارتا تھا.....

فرزاد کی محی اور پھوپھیا کی غیر موجودگی میں اسے کیونہ تو نظروں سے گھورا کرتیں جابلوں کی طرح ”سن لڑکے“ کہہ کر بلاتیں وہ خون کے  
 مھونٹ پی کر رہ جاتا حسن بھی اپنے اکثر کام اسی سے کروا تا رہا مگر یہ بھی پتا تھا اس نے اکثر دیکھا کہ نئی محی فرزاد پاپا سے چمپ کر اسے پیسے دیتا تھا  
 وہ اسی کے سکول میں داخل ہو گیا تھا پاپا اسے اپنی گاڑی میں بٹھا کر لے گئے تھے نیا یونیفارم بھی دلایا تھا۔ سبکیں کو ان سے بہت شکایات تھیں وہ پہلے کی  
 طرح اس کے ساتھ باہر نہیں جاتے تھے نہ اسے آکس کریم کھلاتے نہ رات کو اپنے پاس سلاتے.....

☆☆☆

# پاک سوسائٹی

## ڈاٹ کام

”رہا باب، اپنی اور سلوک کو سلا کر میرے بیڈروم میں آنا۔“ دو دروازے سے کھڑے کھڑے پلٹ گیا تھا اس کے لہجے میں مخصوص باوا بھی نہیں تھا پھر اس نے کیوں اسے بلایا تھا۔ سلوک تو جلدی سو گیا تھا۔ بانی دیر سے سویا۔ وہ اپنی ہی سوچوں سے بچتی من من بھر کے قدم اٹھاتی اس کے کمرے میں داخل ہوئی۔ نائٹ لب جل رہا تھا۔ سبکدوش کیوں کے سہارے نیم دراز تھا۔ کبل اسی طرح تہ شدہ پائنتی کی طرف پڑا ہوا تھا اور اس سخت سردی کے عالم میں بھی وہ بکلی ہی شرت پہنے ہوئے تھا جس کے اگلے تمام بن کھلے ہوئے تھے۔ رہا باب کو اسے اس طے میں دیکھ کر شرم ہی آگئی حالانکہ وہ اس کا شوہر تھا وہ دروازے کے پاس رک ہی گئی تھی جانے وہ سو رہا تھا یا جاگ رہا تھا۔

”آؤں رک کیوں گئی ہو۔“ اس کی آواز ابھری تو اس کی ہتھیلیاں پسینے میں بھیگ گئیں حالانکہ اس کے لہجے میں ”پیغام“ نہیں تھا۔ سبکدوش اس کی ہچکچاہٹ بھانپ گیا۔ نیوٹ لائٹ آن کر کے اٹھ کر بیٹھ گیا ایک دم دعوت تھا اور اسیے حوالہ کا طلسم ٹوٹ گیا وہ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی صوفے پر جا کر بیٹھ گئی۔

”رہا باب میں تمہاری پسند کی مووی لایا ہوں۔“ وہ بولا تو رہا باب کو حیرت سی ہوئی کیونکہ وہ فلمیں تو کیا ڈرامے بھی نہیں دیکھتی تھی۔ یہاں موت کے بعد انہیں اوپر شفقت ہوئے پڑ گیا تھا نیچے ہر کمرے میں ٹی وی اور وی سی آر تھا وہ سب کے سب نیچے ہی رہے وہ اگر کبھی کارٹون دیکھنے نیچے چلی جاتی تو ٹی وی کی زیریں باتیں سن کر فوراً واپس آ جاتی پھر رفتہ رفتہ اسے ٹی وی یا فلم دیکھنے کا شوق ہی نہیں رہا حالانکہ یہ بہانے کا شہن جو اس کے کچھ ہی سال چھوٹے تھا بہت کہتا کہ:

”آؤ میں دم ایڈجیری کے بالکل نئے کارٹون لایا ہوں دیکھتے ہیں۔“ اس کے کمرے میں بھی الگ ٹی وی تھا وہ انکار کر دیتی۔ اسی کہتیں کہ ٹی وی کوئی دین ایمان تو نہیں ہے کہ دیکھنا لازمی ہی ٹھہرے پھر اس نے ٹی وی دیکھنا چھوڑ دیا۔ سکول و کالج میں لڑکیاں نئے نئے ڈراموں اور فلموں کے بارے میں باتیں کرتیں تو وہ بیزاری سے وہاں سے اٹھ آتی تھی اور آج یہ کہہ رہا تھا کہ میں تمہاری پسندیدہ فلم لایا ہوں ریوٹ کنٹرول سبکدوش کے ہاتھ میں تھا ٹی وی اور وی سی آر دونوں آن تھے شاید وہ اس کا انتظار کر رہا تھا۔

”رہا باب ادھر میرے پاس آ کر بیٹھو۔“ اس کے لہجے کی تمسیرتا سے اس کا دل دھڑک اٹھا۔ وہ خواب کے سے عالم میں جیسے ہل صراط پر چلتی اس کے پاس پہنچی تھی نیوٹ لائٹ دوبارہ بند کر کے نائٹ لب جلا دیا گیا۔ کمرے میں دھن دھن سے نغمہ ساز ہم مدہم اندھیرا بھیل گیا۔ ”ڈر کیوں رہی ہو۔“ وہ اس کے پسینے میں بھیگے چہرے کو دیکھ کر دلکش سے انداز میں مسکرایا۔ اس کی مسکراہٹ بھی دل موہ لینے والی تھی جاندار اور مقابلہ پر جادو کر دینے والی، مسکراتے ہوئے وہ اپنی آنکھوں کے بھر پور تاثر سے بھی کام لیتا جانتا تھا۔

”یہاں آؤ۔“ اس نے رہا باب کو قریب آنے کا اشارہ کیا وہ جوتے اتار کر دھک دھک کرتے دل کو سنبھالتی اوپر بیٹھ گئی۔ ”تمہارے ہاتھ بہت خوبصورت ہیں۔“ اس نے رہا باب کے چھوٹے چھوٹے گداز ہاتھ تمام لیے تھے اب وہ اس کے بہت قریب تھا۔ ”نکی سے پھر ملاقات ہوئی“ وہ دیر سے دیر سے اس کے ہاتھ کو تھپک رہا تھا وہ سن ہو گئی۔

”نہیں“ اس نے بمشکل ٹھوک نکالا۔

”ویسے وہ بڑی خوبصورت لڑکی ہے پر تم سے زیادہ نہیں۔“ وہ سیدھا اس کی آنکھوں میں جھانک رہا تھا۔

”میں پاگل ہو رہا ہوں رباب“ وہ جذبات سے چور لہجے میں بولا۔ وہ اس کی پر جوش گرفت سے اپنا آپ آزاد کرانا چاہتی تھی مگر اس کی کوشش ناکام ہوئی جارہی تھی وہ قریب آتا جا رہا تھا اب وہ اس کی پریش سانسوں کی تھک اپنے چہرے پر محسوس کر رہی تھی۔

”کیا لگی اب بھی افشاں اور غمار سے ملتی ہے یا وہ آتی ہے تمہارے گھر“ سبکتگین نے اس کا ہاتھ اپنے سینے پر رکھ لیا تھا۔

”مجھے نہیں معلوم میں اپنے کمرے سے باہر ہی نہیں نکلتی تھی گزشتہ چار ماہ سے۔“ رباب نے حاضر دماغی سے کام لیا۔

”کیا افشاں اور غمار اس کے بعد بھی یونیورسٹی سے لیٹ آتی تھیں۔“ اس نے رباب کا ہاتھ ہونٹوں پر رکھ لیا اسے یوں محسوس ہوا جیسے وہ انکارے اس کے ہاتھ کی پشت پر رکھ دیئے گئے ہوں۔

اب وہ اس کے گل اور ہونٹوں پر اپنی انگلیاں پھیر رہا تھا۔

”رباب میں تم سے محبت کرنے لگا ہوں اس دن سے جب تمہیں پہلی بار دیکھا تھا تمہارے ساتھ میں نے جو کچھ کیا وہ سب غلط تھی کا نتیجہ تھا مگر آج میں تمام غلطیوں کا ازالہ کر دوں گا۔“ اس کا لہجہ اور بھی بھاری ہو گیا تھا۔ رباب کی جھٹی جس بار بار اسے کوئی عجیب سا احساس دلا رہی تھی۔

”میری قربت سے خوفزدہ ہو، بے ہوش ہو جاؤ۔“ وہ تائید چاہ رہا تھا اس سے کوئی جواب ہی نہیں دیا گیا۔

”رباب اس روز تم خود ہی تمہیں لگی کے گھر یا تمہیں افشاں اور غمار لے کر گئی تھیں۔“ رباب نے ایک سسکی لی۔

”میں یونیورسٹی کے لیے تیار ہو کر نیچے آئی تو دو میک اپ کئے ہوئے اہتمام سے کھڑی تھیں پھر انہوں نے راستے میں گاڑی لگی کے گھر کی طرف میوزی وہاں لگی نے ہمیں زبردستی زدک لیا اور یونیورسٹی فون کیا تو معلوم ہوا کہ یونیورسٹی تو بنگالے کی وجہ سے بند ہے پھر اس نے کہا کہ میں تمہیں لچ کے بغیر نہیں جانے دوں گی۔“ اس کے آنسو بہنے کے لیے بے تاب ہو گئے تھے اس کی زندگی کا بد صورت ترین باب اس کے دل کو آبلہ سا مانا گیا، سبکتگین نے نرمی سے اس کا سراپے سینے پر رکھ لیا تھا۔

”چلو آؤ یہ ظلم دیکھتے ہی تمہاری طبیعت بھل جائے گی۔“ اس کا موڈ تبدیل ہو گیا اس نے ریسمون کنٹرول کا بٹن دبا دیا تاریک اسکرین روشن ہو گئی وہی شیطانی منظر سامنے تھا رباب نے اٹھ کر بھاگنا چاہا مگر سبکتگین نے اسے اپنے فولادی ہاڈوؤں میں بے رحمی سے جکڑ لیا۔

”اپنی فریڈز کے ساتھ تو ظلم دیکھ لی میرے سامنے کیوں گھبرا رہی ہو۔ میں تمہاری جان تو نہیں لے لوں گا۔“ وہ غرایا۔

”بے شک آپ میری جان لے لیں مگر میں یہ ظلم نہیں دیکھوں گی نہ دیکھی ہے خدا ارادے بند کر دیں۔“ وہ آنکھیں بند کئے اذیت سے بولی۔ اسی لمحے ہائی کی آواز آئی وہ زور زور سے رو رہا تھا وہ اس کے گھیرے سے بھاگ آئی۔ اپنے کمرے میں آکر دروازے کا پلٹ چڑھا کر وہ لمبے لمبے سانس لیتی رہی۔

”میرے مصومہ دگر۔“ وہ ہائی کو گود میں لے کر رونے لگی۔ اسے روتا دیکھ کر وہ خاموش ہو گیا تھا۔

سنگتین نے اٹھ کر دی سی آر بند کر دیا۔ کیسٹ نکال کر اس نے احتیاط سے ایک موٹے خاکی لفافے میں لپی اور گوند سے اس کا منہ بند کر دیا پھر اس نے لفافے کے اوپر کچھ لکھا اور الماری میں رکھ دیا وہ دوبارہ بستر پر آ گیا۔ اس کی سوچتی نگاہیں غیر مرئی نکتے پر جم گئی تھیں۔

☆☆☆

چچا آج کل غی مہا کی بہت زیادہ دیکھ بھال کر رہے تھے جب بھی دیکھو کبھی جس نکال کر پلا رہے ہیں کبھی پھل کھلا رہے ہیں کبھی طاقتور تاک لار رہے ہیں پھر ایک دن یہ مقدمہ بھی مکمل کیا جب غی مہا باہر سے واپس پر ایک چھوٹی سی گڑیا لے کر آئیں وہ گڑیا جیسی ہی تھی سفید چھنی ایسی رحمت سنہرے بال اور پتلے پتلے ہونٹ مگر سنگتین کو وہ گڑیا اچھی نہیں لگتی تھی۔ اگلے سال ایک اور گڑیا آئی وہ دونوں جب مل کر روئیں تو اس کا جی چاہتا کہ ان کے گلے دوادے وہ اکثر انہیں نظر بچا کر مار بھی دیتا۔

دیکھتے ہی دیکھتے سات برس گزر گئے تھے پچا کی حالت خاصی خراب رہنے لگی تھی انہیں ایک بار بارٹ ایکٹ بھی ہو چکا تھا سنگتین کی نفرت کا وہی عالم تھا وہ دونوں بہنوں کو بھانے بھانے سے بیٹھا اس کا ہاتھ بھی اچھا خاصا بھاری تھا بڑے زور کا لگتا تھا وہ بھی اونچی اونچی آواز میں چلاتیں تو اسے بڑا سکون ملا دل میں ٹھنڈی پڑ جاتی۔ فرزا پھر اسے خوب کوئی مگر اسے پروا نہیں تھی ان چیزوں نے اس کے پیار پر قبضہ کر لیا تھا۔ انہیں اس کی طرف دیکھتے نہیں دیتی تھیں۔

☆☆☆

وہ بانی اور شوق کے ساتھ جھلیں کرتے ہوئے یوں مگن تھا کہ جیسے رات کو کچھ ہوا ہی نہیں تھا اس بے اعتباری نے رباب کو افسردہ کر دیا تھا۔ آخر تھا تاں پولیس والا اس سے سچ اگلوانے کے لیے کچھ نہ کچھ تو کرنا ہی تھا کل تک دوپہر ہی سمجھتی آئی تھی کہ صرف عورتیں ہی مردوں کے ہوش اڑا سکتی ہیں رات سے اس کی سوچ بدل گئی تھی مرد بھی عورت کے ہوش اڑا سکتا ہے اور مرد بھی سنگتین جیسا تھل اور شاندار جس کی منہ کی منہ میں سامنے کودل چاہے ایسا شاندار اور وجہ ہر دکن کہیں دیکھنے میں آتا ہے اور اس میں دونوں خوبیاں موجود تھیں جو کسی بھی عورت کو متاثر کر سکتی ہیں رباب کی دنیا کا کیوں اتنا وسیع نہیں تھا اس کا واسطہ چند مردوں سے ہی پڑا تھا سنگتین جیسے مرد سے وہ کہاں واقف تھی اس کی بد قسمتی اسے اس کے گھر میں لے آئی تھی۔

☆☆☆

سنگتین میزک کے امتحانات کے بعد فارغ تھا۔ حسن پچا کے ساتھ باقاعدگی سے آفس جاتا تھا۔ سلوٹ سکس کلاس میں آگئی تھی مگر اس سے ایک کلاس جو نیز تھی ان کی پھوپھو کی بیٹی نازاں کالج میں زیر تعلیم تھی۔ سنگتین باقاعدگی سے جم جاتا تھا شام وہ کلب میں اپنے دوست کے ساتھ ٹینس کھیلنے چلا جاتا تھا۔ اسے اپنی محنت اور ٹینس کا بڑا دھیان تھا خاندان کے دوسرے لڑکوں کے برعکس اس نے قد کاٹھ بھی خوب نکالا تھا۔

وہ لان میں بیٹھا ایک دلچسپ کتاب پڑھ رہا تھا۔ دوسرے لڑکوں کی طرح وہ فارغ اوقات میں قمیص دیکھنے کی بجائے کتابیں پڑھتا یا ایکسر سائز کرتا اس کے بیک ووشوق تھے افسوس گھر میں کسی اور کو ایسے شوق نہیں تھے۔ فرزا سلوٹ اورنگی اس سے زیادہ بات چیت نہیں کرتی تھی حسن بھی ایک تھک رہتا تھا سنگتین یہ صورت حال دیکھ کر کتابوں میں پناہ ڈھونڈنے پر مجبور ہو گیا تھا۔

آج کل وہ اور اس کے دوست عامر مسٹر پاکستان کپٹنیشن میں حصہ لینے کے لیے زبردست ایکسرسائز کر رہے تھے دونوں میں شرمیلی تھی کہ جو بھی ناکل جیتے گا تمام فریڈز کو زبردست سی ٹریٹ دے گا۔

☆☆☆

”رہا بگلتا ہے تم تو ہمیں بھول گئی ہو۔“ نکل اس کے گلے لگی نکل سے کہہ رہی تھی وہ آج خودی شان کو لے کر آئی تھی کتنے روز سے اس نے رہا ب کی شکل نہیں دیکھی تھی نہ کوئی فون نہ کوئی پیغام دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر چلی آئی تھی چھٹی کا دن تھا سیکٹین گھر پر ہی تھا نکل کو دیکھ کر بہت خوش ہوا قریبی بارکیٹ سے اسی وقت وہ اس کی خاطر مدارت کے لیے ڈھیروں چیزیں لے آیا تھا وہ دونوں باتیں کر رہے تھے۔ شان رہا ب کے پاس چلا آیا چونکہ میں معروف تھی اس کا یہ روپ شان کے لیے خاصا حیرت انگیز تھا۔ کہاں وہ رہا ب جو چھلا تھیں مارتی کشتیاں لڑتی کلی ڈنڈا کھیتی سفید کرتا اور نلی جیٹو پہنے خود کو لڑکا کہتی اور کہاں یہ رہا ب شلوار قمیض پہنے لمبی سی ہنڈیا باندھے سنگھڑا کیوں کی طرح امور خانہ داری میں مصروف تھی۔

وہ اسٹول ٹھیکٹ کر اس کے پاس بیٹھ گیا۔ دادو اسے ہمیشہ کہتے کہ رہا ب اچھی لڑکی نہیں ہے اس کے ساتھ مت کھیلا کرو شان ان کی ہدایات بھلائے رہا ب کے ساتھ ہی کھیتا۔ دوسروں کے لیے وہ بدتمیز کسی مگر اس کے لیے بہت پر خلوص تھی دونوں کی عمر میں تین سال کا فرق تھا مگر دوستی ہم عمروں والی تھی وہ اسے نام لے کر بلاتا تھا ابھی گزشتہ دنوں جو واقعہ پیش آیا تھا اس کی وجہ سے اس کے پورے گھر میں اس کی رہا ب کے ساتھ ہی تو دوستی تھی۔ اس واقعے کے بعد وہ اپنے کمرے تک محدود ہو گئی تھی بارہا شان نے اس کا حال پوچھنا چاہا پر دادو کی ہمہ وقت مگرانی کے باعث ایسا نہ کر سکا۔ اس نے اتنے خوبصورت گیٹ ویل سون کے کارڈز اسے دینے کے لیے خریدے مگر اس کی نوبت ہی نہ آ سکی۔ آج وہ تمام کارڈز سمیٹ کر لے آیا تھا اس کی شادی کی خبر سن کر اسے یقین ہی نہیں آ رہا تھا جب اسے دو بہن بن کر رخصت ہونے دیکھا تو اسے یقین نہ ہی پڑا وہ تو دھڑلے سے کہتی تھی کہ میں رہا ب اسد ہوں اپنے بچا کا بیٹا کسی شادی نہیں کروں گی۔

کام

کام

”کیا بکا رہی ہو۔“ وہ پرانے انداز میں بولا۔

”چکن کڑا ہی، کو فٹے، سندھی بریانی، رہا ب، مٹا نکل اور چکن پلاؤ۔“ اس نے ایک سانس میں بتایا تو وہ مسکراتے لگا۔

”گلتا ہے ستیا ناس مادہ وہی سارے کھانے کا۔“ وہ جان کر بولا۔

”جی نہیں تم کھا کر دیکھنا انگلیاں چاٹ لو گے۔“ وہ زعم سے بولی۔

”فید چاچو نے تو تمہارے حزان ہی بدل دیئے ہیں۔“ شان کو یہ جملہ کہہ کر احساس ہوا کہ اسے یہ نہیں کہنا چاہئے تھا کیونکہ رہا ب کے چہرے پر تاریک سا سایہ لہرا گیا تھا بعد میں اس نے موضوع ہی بدل دیا سلو تو بھی ان کے پاس آ گیا تھا۔ شان اسے اوٹ چانگ حرکتوں سے ہنسا رہا تھا۔ رہا ب کے چہرے پر بھی مسکراہٹ آ گئی تھی اور یہی تو وہ چاہتا تھا۔ رہا ب ڈانٹک ٹیبل پر کھانا لگا کر بجل اور سیکٹین کو بلا کر لے آئی۔

”ارے یہ کیا، اتنا تکلف کرنے کی کیا ضرورت تھی۔“ نکل اتنے ڈھیر سارے کھانوں کو دیکھ کر شرمندہ ہو گئی۔

”اسے تکلف نہیں مہمان نوازی کہتے ہیں۔“ سیکٹین بولا اور اسے کھانا شروع کرنے کا اشارہ کیا مگر چیز واقعی بہت مزیدار تھی نکل کو توقع

نہیں تھی کہ درباب یہ سب کچھ بتالے گی کیونکہ ان کے اپنے گھر میں تو ایسے کھانے نہیں کھتے تھے یا تائی اماں کا ان پر احسان کرنے کا جی چاہتا تو بچا ہوا دے دیتی تھیں۔ درباب تائی کے باورچی خانے میں اکثر و بیشتر اس کے پاس منڈلاتی رہتی تھی جب تک پیاز نہ تھے انہوں نے دنیا کی جو چیز چاہی پائی ان کی موت کے بعد سب قہقہے خواب و خیال ہو گئے تھے۔

”طوطے تم نے تو کمال کر دیا ہے۔“ محل نے اسے ستائشی نگاہوں سے دیکھا۔

”ہسٹنگین بھائی آپ یقین کریں کہ میں اسے باورچی خانے میں بہت کم کھنے دیتی تھی میں چاہتی تھی کہ یہ اپنی پڑھائی پر ہی توجہ دے پھر بھی یہ ہمیں بڑا زچ کرتی تھی۔ اس کے باوجود امی نے اسے کبھی نہیں ڈانٹا۔ یہ پپامی سمیت میری بھی لاڈلی تھی۔“ محل کے ذہن میں وہ خوبصورت سے دن کھوئے گئے۔ دونوں پر اس کی مسکراہٹ ٹھہر گئی۔

”بلیوی یہ میری بھی لاڈلی ہے۔“ وہ ہر جہت بولا تو درباب نے بے ساختہ سر اٹھایا وہ محل کی طرف متوجہ تھا۔

”شان تم یہ کون سے لوتیاں۔“ وہ ابھی میزبان کی طرح پیش آ رہی تھی محل کو بے پناہ طمانیت کا احساس ہوا۔ کھانے کے بعد ہسٹنگین اسے خود چھوڑنے آیا۔ تائی رقیہ نے اسے اپنے پاس بٹھالیا۔ انیس اور غمار اسے دیکھتے ہی اوپر اٹھ بیٹھ گئیں۔

”افشاں مجھے اس سے بہت ڈر لگتا ہے۔“ غمار بولی۔

”اس میں ڈرنے کی کیا بات ہے۔“ غمار نے اسے تسلی دی حالانکہ دل میں وہ خود بھی ڈر رہی تھی۔

”یوں لگتا ہے جیسے ایک روز اسے سب کچھ پتہ چل جائے گا۔“ درباب بھی تو شادی کے بعد ایک بار بھی نہیں آئی اس پر ہی زور ڈال کر کچھ پتہ چل جاتا۔“ وہ از حد پریشان تھی۔

”مکی اور تائی نے اس کی بہنوں کو اشارہ کیا کچھ بتایا تھا۔“ درباب کے اس واقعے کے بارے میں کیا خود ڈی ایس پی کو یاد نہیں ہو گا اتنی پرانی بات بھی نہیں ہے مجھے یقین ہے کہ درباب اس لیے نہیں آئی کہ اس کا سلوک اچھا نہیں ہے۔“ درباب کے ساتھ، شرمندگی کے مارے منہ ہی نہیں دکھاتی ہے۔“ غمار نے نیا کتہ نکالا اور مزید گویا ہوئی۔ ”ہمیں اس طرح چھپنا نہیں چاہیے ورنہ وہ یہ سمجھے گا کہ ہم بھی الوالو تھے، آؤ اس سے پہلو ہائے کر لیں۔“ اس نے افشاں کو اٹھایا اور ڈرائنگ روم میں پہنچ گئی۔ دونوں نے بڑے اعتماد سے سلام کیا اور بیٹھ گئیں۔

”اس میں شک نہیں ہے کہ درباب نے بڑا اونچا ہاتھ مارا ہے۔“ افشاں سرگوشی میں غمار سے بولی وہ دونوں قدرے قاصطے پر تھیں آرام سے اس کے ہارے میں ہاتھیں کرنے لگیں۔

”گفتا ہے کہ پیشہ ور ریسلر ہے وان ڈیم کی طرح اس کا جسم بھی بڑا مضبوط ہے میز اسٹائل بھی خوب ہے آنکھیں تو غضب کی ہیں یہ تو کہیں سے بھی قاتل اور دو بچوں کا باپ نہیں لگتا میرے لیے اگر اس کا پروپوزل آتا تو میں آنکھیں بند کر کے اوکے کر دیتی اپنی لگی کی بھی نیت خراب ہے اس کے لیے کہہ رہی تھی کہ تھوڑی سی کوشش کے ذریعے اسے اپنا پانڈر بنایا جاسکتا ہے۔“

”پھر فون نہیں آیا اس کا۔“ غمار نے پوچھا۔





بھل کے لیے شاہ میر کا رشتہ آیا تھا۔ باب کی شادی پر شاہ میر کی والدہ اور بہنوں کو وہ بڑی طرح بھائی تھی ان کی کوشش تھی کہ جلد از جلد لڑکی شاہ میر کے نام ہو جائے انہیں بھل کے گھرانے کے بارے میں زیادہ علم نہیں تھا۔ انہوں نے شائستگی سے اپنا مدعا قیہ سے بیان کیا تو انہوں نے رخصت اور آمنہ کو بھی بلوالیا۔

”مسز فرمین آپ نے یہ نہیں پوچھا کہ بڑی بہن سے پہلے چھوٹی کی شادی کیوں ہو گئی حالانکہ اصولی طور پر اور معاشرے کے رائج طریقوں کے مطابق پہلے بڑی بہن کی ہونی چاہئے تھی“ وہ کہہ کر خاموش ہو گئیں۔

”اس میں شاید کوئی آپ کی خاندانی مصلحت یا مجبوری ہوگی“ مسز فرمین سوچ کر بولیں۔

”ان دونوں بہنوں نے ہمارے خاندان کی تکیا ڈوبنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی ہے بڑی نے بھی آنکھ دکھا کر رکھا تھا چھوٹی اپنے عاشق کے ساتھ رکتے ہاتھوں پکڑی گئی اور تھا نے پہنچ گئی، بھائی صاحب لے کر آئے فوراً ہی اچھا سا لڑکا ڈھونڈ کر شادی کر دی آپ تو جانتی ہوگی“ رخصت ہوئیں تو فرمین حیران رہ گئیں جو بڑی اپنے دوست کے ساتھ رنگ رلیاں مٹاتے ہوئے پکڑی گئی اس کی شادی ایک اعلیٰ اور مشہور حیثیت کے حامل مرد سے ہو گئی تھی وہ شادی پر آئی تھیں بے تکلیف اور باب کی جوڑی چاند سورج کی جوڑی لگ رہی تھی۔ انہیں یقین نہیں آ رہا تھا کہ دونوں بہنیں ایسی ہیں بجے بجے دل کے ساتھ وہ واپس آ گئیں۔

”بھائی اس بھل کو سر سے اتار دیں دفنان کریں۔ ایک سے بڑھ کر ایک رشتہ آ رہا ہے اس کے لیے ہماری بیٹیوں کا حق مار رہی ہے یہ“ اندر چائے لاتی کل دروازے سے ہی پلٹ گئی باب اور اس کے بارے میں انہوں نے مسز فرمین سے جو کچھ کہا تھا اس نے حرف بہ حرف سن لیا تھا اب مسز فرمین نے آگے جا کر تھک مرچ لگا کر یہ قصہ بیان کرنا تھا اگر بے تکلیف تک یہ بات پہنچ جاتی تو پھر بہت برا ہوتا اسے اپنی فکر نہیں تھی آج وہ خود کو بہت اکیلا محسوس کر رہی تھی امی بھی نہیں تھیں کہ ان کے مشفق سینے سے لٹ کر وہ اپنے آنسو بہا ڈالتی۔

اسے یوں محسوس ہوا جیسے وہ بھی کسی جرم کی پاداش میں بھاری چٹان کے نیچے دبلی ہوئی ہے جتنی ریت ہے اور اوپر آگ برساتا سورج ہے اور سامنے ظلم کی صورت تائی چچی کھڑی ہیں، اس کے لیے کب مدد آئے گی کب کوئی چارہ ہوگا اس کے زخم رفو کرنے آئے گا..... کب کوئی ابن مریم آئے گا اس کے دکھ کی دوا کرنے۔

☆☆☆

سلوگنی، فرزا اور اس کی مٹی چاروں شاپنگ کے لیے گئی تھیں نازاں گھر میں اکیلی تھی بے تکلیف ابھی کچھ دیر پہلے آیا تھا کھانے کا وقت ہو رہا تھا وہ اس کے کمرے میں آگئی کھانے کے لیے بلانے وہ کمرے میں موجود نہیں تھا واپس روم سے پانی گرنے کی آواز آ رہی تھی وہ بیچہ کری میٹرز کی ورق گردانی کرنے لگی وہ نہما کر نکلا تو اسے کمرے میں دیکھ کر حیران ہوا اور وہ شرت پہنے بغیر ہی نکل آیا تھا نازاں اسے دیکھ رہی تھیں بے تکلیف کا جسم بھیگا ہوا تھا پھولے پھولے مسلوں دیکھ کر لگ رہا تھا کہ اس کے انسر کنز نے خوب محنت کرائی ہے۔

”کیا ہے کیسے آتا ہوا“ وہ شرت پہن کر اس کی طرف آیا۔

”کھانا تیار ہے آؤ کھاتے ہیں“ وہ سر جھٹک کر اس کے سر سے نکتے ہوئے بولی۔

”ٹھیک ہے میں آتا ہوں تم جاؤ۔“ وہ ہالوں میں بڑبڑ کر رہا تھا۔

پھر ٹیبل پر نہ زان اسے بذات خود ایک ایک چیز پیش کرتی رہی۔

بارش کی وجہ سے لائٹ گئی ہوئی تھی سبکدین کمرے سے نکل آیا دو بھل کر ٹیبل پر جانا چاہتا تھا نیچے تو اوشیدنگ کے باعث گھپ اندھیرا تھا

وہ میز پر ہاں چڑھ رہا تھا اسے یوں لگا کوئی اور آگے سے دھیرے دھیرے میز پر ہاں اتر رہا ہے۔

”کون ہے۔“ اس نے آواز دی دھپ سے کوئی اس کے ساتھ نکرایا سبکدین اگر وہ ریٹنگ کو تھا مہم نہ لیتا تو گر پڑتا نہ زان اس پر گر گئی تھی۔

”اودھیم سو رہی سبکدین اندھیرے کی وجہ سے کچھ نظر نہیں آ رہا تھا۔“ وہ سنبھل کر اپنی سانس درست کرنے لگیں سبکدین کی قربت نے اس

کے اندر دلچسپی پیدا دی وہ کافی دیر کے بارش میں بیگ رہی تھی نیچے اترتے ہوئے جان کر اس سے ٹکرائی تو جسم و جان میں آگ سی بھڑک اٹھی تھی

سبکدین نے لمحہ بھر کے لیے اسے کیا تھا تھا اس کی ہستی ہی نہ وہ بالا کر دی تھی۔ دل چاہ رہا تھا وقت رک جائے وہ اسے یوں ہی تھاے کھڑا ہے پر وہ

اسے ہٹا کر اوپر چلا گیا تھا۔



موسم بڑا خوشگوار تھا آسمان پر مست بدلیاں جھوم رہی تھیں تمام ماحول سرمئی سرمئی ہو رہا تھا وہ آفس سے جلدی اٹھ آیا تھا دل چاہ رہا تھا

لاٹک ڈرائیو پر اٹھ جائے اور کچھ ٹھنڈی کھائے لیے تمام فکریں ذہن سے جھٹک دے پر نہ جانے کونسی کشش تھی جو اسے گھر کی جانب لے جا رہی تھی گیت

سلوک نے کھولا وہ گاڑی اندر لے آیا جیسے ہی وہ اتر آسلوک شروع ہو گیا۔

”پاپا اٹھ دو لیبن آپی زور زور سے رو رہی ہیں“ وہ اندر آیا تو واقعی وہ ٹھنڈوں میں سر چھپائے بانی کو پکڑ رہی تھی۔

”رہا باب کیا ہوا ہے“ وہ پیٹ کے پانچے اوپر کرتا اس کے پاس بیٹھ گیا۔

”پھر بارش ہو رہی ہے پھر بارش ہو رہی ہے کوئی باہر مت جائے نہ جانے اب یہ بادل اور بجلیاں کس کو سا تھ لے کر جائیں گی“ وہ مضبوطی

سے آنکھیں بند کئے بول رہی تھی سبکدین کی سمجھ میں کچھ نہیں آیا۔

”سلوک میرے پاس بیٹھ جاؤ باہر مت جانا میں مر جاؤں گی“ اس نے سلوک کو بھی پاس بلا لیا۔

”آخر ہوا کیا ہے کوئی مجھے بھی تو بتائے کیا باہر دہشت گرد ہیں جو کوئی باہر نہ جائے“ وہ جھلا گیا۔

”پاپا اٹھ دو لیبن آپی بارش سے ڈر گئی ہیں“ اس نے بچے کی بات کہی تو اس کا تن بدن ڈھیلا پڑ گیا واقعی یہ لڑکیاں کتنی نازک ہوتی ہیں بھلا

بارش کوئی جن بھوت ہے، دورات تک یونہی کمرے میں بیٹھی رہی سبکدین بانی کا فیڈر خود بنا کر لایا اور کھانا بھی خود گرم کیا جب بادل زور سے گرہے

اور بجلی کرنسی تو وہ زور زور سے رونے لگی یوں لگتا جیسے کوئی ان دیکھی سی قوت ہے جو اس سے یہ سب کر رہی ہے دورات کافی دیر تک ان تینوں کے

پاس بیٹھا رہا جب وہ کمرے میں آنے لگا تو وہ الٹ ہو گئی۔

”پلیز آج ادھر ہی سو جائیں مجھے ڈر لگ رہا ہے“ وہ اب بھی رو رہی تھی سبکدین کو رحم آ گیا۔

”اچھا ٹھیک ہے“ رک گیا۔ وہ ایک اور کمرے لے آئی بانی اور سلجوق کے درمیان جگہ بنا کر کمرے کی لٹ گئی اس کے سونے کے لیے اچھی خاصی جگہ موجود تھی وہ دیکھ کر رے پر کچھ کر لٹ گیا رات بار بار اس کی نیند ٹوٹی رہی کیونکہ وہ خود بھی ڈسٹرب تھی اور اسے بھی ڈسٹرب کر رہی تھی۔

☆☆☆

سبکدین کی برتھ ڈے پر نازاں نے خاصی قیمتی ریٹ واپس اس کے لیے خریدی تو فرزا کھٹک نئی سلوٹ اور گئی نے بھی اسے الٹ کر دیا تھا اس نے نازاں کو اپنے کمرے میں بلا لیا۔

”نازاں یہ میں کیا سن رہی ہوں، سنا ہے کہ تم سبکدین میں انٹرست لے رہی ہو“ اس نے اندھیرے میں تیر چھوڑا جو نشتانے پر جا لگا۔

”جی آئی“ اس نے بے دھڑک اقرار کر لیا۔

”کیا وہ بھی تمہارے لیے ایسے جذبات رکھتا ہے“ اس نے گہری نظروں سے جانچا۔

”جی ہاں“ اس نے بے دھڑک اقرار کر لیا۔

”نہیں! رکھتا تو رکھنے لگے گا میں نازاں ہوں کب تک دامن بچائے گا“ وہ غرور سے بولی تو فرزا کی آنکھوں میں چمک سی لہرائی۔

”ٹھیک ہے جو مرضی میں آئے کرو اور اسے زیر کر لو بڑے فائدے میں رہو گی تم بھی میں بھی پھو پھو بھی“ وہ ہلکے سے ہنسی فرزانے پھو پھو اور اپنی ماں کو بھی اس راز میں شریک کر لیا اب وہ سارے ہتھیار لے کر میدان میں اترتا جا رہی تھی۔

وہ مسٹر پاکستان کا نام لے جیت گیا تھا اس خوشی میں اس نے تمام دوستوں کو نہایت دی گئی نازاں نے بھی اس سے ٹریٹ مانگی جو وہ بخوشی دینے پر تیار ہو گیا ساتھ ہی دو کالج میں داخلے کے لیے تیاریاں کر رہا تھا پاپا اس کی پوزیشن اور نمبر زد کچھ کر بہت مسرور ہو رہے تھے انہوں نے اس سے نئی گاڑی لانے کا وعدہ کیا تھا۔

ہلکے سے درد اور وجہ اس نے کتاب سے سر اٹھایا وہ نازاں تھی۔

”اتنا زیادہ پڑھتے ہو ہر وقت، کبھی آرام بھی کر لیا کر دیکھی اپنے ارد گرد کی خوبصورتی پر نظر ڈالی ہے تم نے“ وہ آرام سے اس کے پاس بستر پر بیٹھ گئی تھی سبکدین کو اتنی رات گئے اس کی آمد بہت بری لگی مگر پھر وہ انتہائی بے لکھنی سے اس کے بستر پر بیٹھ چکی تھی۔

”نازاں جاؤ سو جاؤ رات بہت ہو گئی ہے“ اس نے کتاب رکھ کر اسے اٹھنے کا اشارہ کیا۔

”میں اس لیے تو آئی ہوں رات بہت ہو گئی ہے“ وہ معنی خیر انداز میں بولی۔

”سبکدین تم نے مجھے کہیں کانٹا چھوڑا ہے میں پاگل ہو رہی ہوں تمہارے لیے پلیز مجھے مت ٹھکراتا“ اس نے انتہائی بے حجابی سے اپنی بانہیں اس کے گلے میں ڈالنے کی کوشش کی تو سبکدین نے زوردار طعنا چھ اس کے گلے پر مارا نازاں پر تو جنون سوار ہو گیا۔

”تم نے مجھے مارا نازاں کو مارا“ وہ اس پر ہل پڑی ساتھ ساتھ وہ اونچی آواز میں چلا رہی تھی۔

”ارے بچو! مجھے اس درد سے“ جوں جوں دوڑتے قدموں کی آواز قریب آ رہی تھی نازاں بھی اس کے قریب ہوتی جاری تھی ایک لمحے کے لیے اس متوقع خطرے کا احساس کر کے وہ بے جان ہو گیا وہ نازاں اس لمحے اس سے بے حد قریب ہو گئی دروازہ کھولا۔

”چھوڑ دو چھوڑ دو مجھے“ وہ اس سے الگ ہوئی۔ دروازے پر انصر فرزا پھپھو سلوگی اور حسن کا لبورنگ چہرہ جھانک رہا تھا۔

”کیسے لمبی فول حیرتی یہ جرأت کہ تو میری بہن کی طرف میلی آنکھ سے دیکھے۔“ اس نے بکتگین کو اٹھا کر پوری قوت سے چٹا اس کا سر بیڈ کی پٹی سے ٹکرایا تو اس کی آنکھوں کے آگے مارے ٹاپنے لگے۔

”یہ زبردستی مجھے میرے کمرے سے اٹھا کر لے آیا میرے منہ پر زور سے ہاتھ رکھ دیا اور کہا کہ آواز نکالی تو جان سے مار دوں گا۔“ وہ چہرہ شرم کے مارے ہاتھوں سے چھپائے رو رہی تھی حسن اسے نکس لگا رہا تھا بکتگین جو خود بھی مضبوط قد و قامت والا اور توانا لڑکا تھا پر اس صورت حال نے اس کے حواس ہی سلب کر لیے اپنے دفاع کا فطری احساس ہی ختم ہو گیا تھا وہ نہ یوں آسانی سے مار کھانے والا لڑکا نہیں تھا۔

”اور مارو اور مارو اس گناہ کو، میری پھول سی ہڈی کو داغ لگا دیا ہے۔ ہائے کون پوچھے گا اب تجھے“ فرزا کی پھپھو نازاں کو گلے لگائے اپنا سر پیٹ رہی تھیں۔

”چھوڑو حسن اے، میں خود اس سے معلوم کرتا ہوں“ انصر نے حسن کو بتایا سامنے کونے میں لوہے اور چکدار ہلکا سنگ کا تیا سینے کو چوڑا کرنے والا ورزش کا آلہ رکھا ہوا تھا تقریباً از حاکمی فت لہا اور مٹھی بھر چڑیا آلہ کسی چمتری سے مشابہ تھا انصر نے وہ اٹھایا اور خوفناک تاثرات لیے بکتگین کی طرف بڑھے تراتر انہوں نے اندہ حادثہ سے مارنا شروع کر دیا بکتگین کا سارا جسم درد اور اذیت کی لپیٹ میں تھا اور چیخا چاہر ہاتھ مگر آواز حلق ہی میں گھٹ کر رہی گئی تھی اس کی اوپر کی کھال ہی جیسے ادھر گئی تھی اس کے خون سے نیلا کارپٹ لسیا ہی مائل ہو گیا تھا کسی نے بھی ان کا ہاتھ روکنے کی کوشش نہیں کی جب انہیں اس کے بے جان ہونے کا یقین ہو گیا تو دور کے۔

”جاؤ اے کوڑے کے ڈھیر پر پھینک آؤ۔“ ساتھ ہی وہ اپنا سینہ مسلنے لگے یوں جیسے ان کا دم گھٹ رہا ہو سب کو ان کی پڑی گئی تھی حسن نے گاڑی نکالی اور سب ان کے ساتھ ہاسپٹل چلے گئے۔ ان کی غیر موجودگی میں بوڑھے نور دین نے اپنے بیٹے سے مرہم پٹی منگوا کر اس کے زخم صاف کئے وہ اب بھی بے سدھ تھا۔

”شاکر اے ہسپتال لے چلو مجھ سے برداشت نہیں ہو رہی اس کی حالت“ انہوں نے اپنی بوڑھی آنکھوں پر ہاتھ رکھ لئے۔ شاکر اسے ایک خیراتی ہسپتال میں لے آیا جہاں وہ سستی دیر تک نکلے فرش پر اپنی باری کے انتظار میں پڑا رہا کھلیں اس کے زخموں پر بھینٹاتی رہیں ڈاکٹر زبیر بہت دیر بعد متوجہ ہوئے۔ ڈاکٹر رحمان اس کی یہ حالت دیکھ کر تڑپ اٹھے نہ جانے کس شقی القلب نے اس کا یہ حال کیا تھا انہیں نے شاکر سے پوچھا تو اس نے جھوٹی کہانی سنا کر اس کی ساری ہمدردیاں سمیٹ لیں۔

شاکر برادر اسے ہاسپٹل دیکھنے آتا رہا ساتویں روز جب وہ آیا تو اس کا خالی بستر اس کا منہ چڑا رہا تھا۔

انصر ڈسچارج ہو کر گھر واپس آچکے تھے ان کا علاج ایک پرائیویٹ میٹے ہسپتال میں غیر ملکی ڈاکٹر ذکی زبیر عمرانی ہوا تھا اور ان کے بیٹے کا

علاج ایک خیراتی ہسپتال میں ہوا تھا۔

”بابا بیکٹین کہاں ہے“ دودھ کا گلاس واپس کرتے ہوئے وہ آہستگی سے بولے کہ کہیں کوئی سن نہ لے۔

”صاحب جی وہ تو اسی روز سے غائب ہیں جس دن آپ ہسپتال گئے تھے“ ان کی ہمت نہیں بڑھتی تھی کہ انہیں سچ بتائیں وہ ہسپتال سے غائب ہو چکا تھا وہ کیا بتاتے؟ فرزانے نازاں کی بے عزتی کا ڈھونگ رچا کر بیکٹین والا گھر اپنے نام لکھوا لیا تھا۔ انصر نے بڑے ارمانوں سے کوٹھی بنائی تھی کہ شادی کے بعد بیکٹین اپنی بیوی بچوں کے ساتھ یہاں رہے گا آج وہ کوٹھی نازاں کی ملکیت ہو گئی اس کی ماں نے خوب داد دیا مچایا تھا حسن الگ اس کے خون کا بچا سا بنا پھر رہا تھا انہوں نے چپ چاپ کوٹھی کے کاغذات فرزا کے سپرد کر دیئے کچھ روز بعد حسن نے گاڑی کی فرمائش کر دی انہوں نے اپنی سنے ماڈل کی مرسڈیز بھی اس کے حوالے کر دی تاکہ وہ ان کے بیٹے کی جان بخشی کر دے جس بیٹے کے لیے وہ یہ سب کچھ کر رہے تھے وہ غائب ہو چکا تھا۔

# پاک سوسائٹی

## ڈاٹ کام

کسی کا سر ڈھانپنے کو صحرا میں  
اک روئے غبار حقیقی ہے  
ہم انہی موسموں میں رہتے ہیں  
روحانی ہے کبھی وہ فنی ہے

ہنگلیں چپ چاپ ہاسٹل سے نظریں ہچا کر نکل آیا تھا اب سوال یہ تھا کہ کہاں جایا جائے اس کے پاس تو ایک پھولی کوڑی بھی نہیں تھی  
گھر کے دروازے اس پر بند ہو چکے تھے وہ کہاں جاتا؟ اس سوال کا جواب تلاش کرتے کرتے وہ اس کچی آبادی میں نکل آیا تھا پاس ہی شاید کوئی  
عمارت تعمیر ہو رہی تھی وہ قریب آ کر یونہی دیکھنے لگا تو ٹھیکیدار اس کے پاس آ گیا۔

”مزدوری کرو گے۔“ اس نے بے سوچے سمجھے سر ہلا دیا تو ٹھیکیدار نے اسے کام پر لگا دیا اسے ایٹیں اٹھا کر تیسری منزل پر پہنچانی تھیں  
شام ڈھلے جب سب مزدور فارغ ہو گئے تو ٹھیکیدار نے اس کے ہاتھ پر ستر روپے رکھے اور کل بھی آنے کو کہا۔ ہنگلیں خوشی و حیرت کے طے جٹے  
جذبات سے ان ستر روپوں کو دیکھ رہا تھا جو اس نے خود اپنے ہاتھوں سے کمائے تھے۔ اس کے ہاتھوں میں سخت تکلیف ہو رہی تھی۔ ان چیسوں کو دیکھ کر  
یہ صدمہ بھی جاتا رہا، وہیں ایک چھپر ہوٹل سے اس نے کھانا کھایا اور اسی عمارت میں آ گیا۔ ایک جگہ صاف کر کے بازو کا ٹکڑہ بنا کر واپس لیا۔  
سارے دن کی محنت و مشقت کے بعد تھکا ہارا جسم جلد ہی نیند کی آغوش میں ڈوب گیا۔ اسے ایک ماہ ہو گیا تھا یہاں کام کرتے ہوئے۔ اب یہ عمارت  
مکمل ہونے کے قریب تھی مزدوروں کا کام ختم ہو چکا تھا وہ پریشان بیٹھا تھا کہ اب کیا کرے گا ایک مزدور نے ایک نئی راہ دکھائی۔

”بھائی کراچی چلے جاؤ وہاں بہت کام ہیں میرے چاہے کا ہوٹل ہے وہاں بڑی آمدنی ہوتی ہے اگر تم چاہو تو میں جنہیں ان کا پتہ لکھ دیتا  
ہوں وہاں جا کر بس کہہ دینے کہ مجھے امام نے بھیجا ہے تیرا کام ہو جائے گا چاچا تیرے لیے کوئی نہ کوئی جگہ ضرور بنا دے گا۔“ وہ یوں بولا جیسے اس کا چاچا  
پر ائم ضرر ہے جس کے پاس ہر مسئلے کا حل ہے بہر حال اس نے امام سے چاہے کا ایڈریس لے لیا اور کراچی آ گیا۔ بڑی مشکل سے وہ ہوٹل ملا۔ یہ  
دوسرے درجے کا اور میانہ سا ہوٹل تھا اس نے امام کے ہاتھوں کا لکھا ہوا خط اس کے آگے رکھ دیا۔ شکر تھا کہ چاچا نے اس پر اعتبار کر لیا تھا ابتدائی  
مرحلے میں اس کے ذمے برتن دھونے کی ڈیوٹی تھی رات کو وہ ہوٹل میں ہی سوتا تھا۔

ایک ماہ ہو گیا تھا اسے یہاں کام کرتے ہوئے، اب دو گاہکوں سے پیسے بھی وصول کر لیتا تھا بہت جلد غصہ کی نظروں نے بھانپ لیا کہ یہ  
نڑکا کسی اچھے گھر کا ہے انہوں نے کرید کرید کر پوچھا پر اس نے ایک لفظ بتا کر نہیں دیا۔ ہوٹل میں انگریزی اخبار اور رسالے بھی آتے تھے جنہیں کام  
ختم کرنے کے بعد وہ بڑی دلچسپی سے پڑھتا تھا وہاں کے لوگ اس سے بہت زیادہ مرحوب ہو گئے تھے۔ اب اس کی ڈیوٹی یہ تھی کہ وہ گاہکوں سے پیسے  
لے کر ان کا حساب کتاب کرے اس نے کبھی ایک پیسے کی بھی بے ایمانی نہیں کی آنٹھ ماہ گزر چکے تھے ایک دن یونہی اس کے دل میں آیا کہ کیوں نہ وہ

پرائیویٹ امتحان دے لیکن اس کے تمام تعلیمی ڈاکومنٹس قولاہود میں تھے جو اس نے داخلہ فارم کے ساتھ کالج میں جمع کروائے ہوئے تھے۔ یہاں پہلی بار اس نے چاچا غفور سے اپنے بارے میں کوئی بات کی انہوں نے لاہور جانے کی اجازت دے دی وہ اپنی بن کالج میں آیا ہوا تھا۔ ادھر ادھر دیکھے بغیر دوسیدھا کھرک کے کمرے میں آ گیا تھا اس کا اور ناصر کا ارادہ تھا وہ اسی کالج میں ایڈمیشن لیں گے وہ کسی کا بھی سامنا نہیں کرنا چاہتا تھا اس نے کھرک کی مٹھی گرم کی تو اس نے فائنٹ اس کے ڈاکومنٹس اور ایڈمیشن فارم کال دیئے اپنے ڈاکومنٹس سے اس نے ایڈمیشن فارم الگ کر کے پھاڑ دیا وہ جیسے گیا تھا ویسے ہی لوٹ آیا۔ محض ڈیڑھ سال کے قلیل عرصے میں اس نے ایف ایس سی کا امتحان دے دیا۔ چاچا غفور پوری طرح اس کی شرافت اور کردار کے قائل ہو چکے تھے اسے زبردستی گھر لے آئے جہاں ان کی بیوی ایک بیٹی ایک بہو اور دو بیٹے رہتے تھے۔ چھوٹا بیٹا ڈیڑھ سال نو برس جماعت میں پڑھتا تھا جبکہ بیٹی رابعہ فرسٹ ایئر میں تھی ان کا یہی کل کتبہ تمام مکان اپنا تھا ایک کمرہ انہوں نے سیکٹین کے لیے خالی کر لیا وہ ان کے احسانات کے آگے شرمندہ ہوا چارہا انہوں نے اس کی ایک نہ چلنے دی تھی وہ ہوٹل سے بھی اس کی جلدی چھنی کر دیتے تھے تاکہ وہ کسوتی سے پڑھ سکے اسے ایک چھت میرا آئی تھی اب وہ گھر کے اندر بھی بلاروک ٹوک چنا جاتا تھا ڈیڑھ سال بھی کبھی کبھی اس کے پاس آ کر پڑھنے بیٹھ جاتا رابعہ پر بھی آتے جاتے نظر پڑ جاتی تھی وہ بڑی پیاری اور باحیالڑکی تھی۔ بی ایس سی کے ایگزامز کے بعد وہ سی ایس ایس کی تیاری کر رہا تھا رابعہ بھی بی اے کر چکی تھی اب وہ آپس میں بات چیت بھی کر لیتے تھے سیکٹین کو اندازہ ہوا کہ وہ بڑی بہو رواور پر غلوں لڑکی ہے مگر وہ ڈرتا تھا اس کی آڑ میں کچھ اور نہ ہو کیوں کہ رابعہ کی نگاہوں میں کوئی نرم نرم سا جذبہ لودیتا تھا جسے وہ قصداً نظر انداز کر جاتا تھا۔ سی ایس ایس کے ایگزامز میں کامیاب ہونے کے بعد وہ ٹریننگ کے لیے سہالہ جازا تھا صبح اسے جانا تھا رات گھر میں اس کی بڑی پر تکلف دعوت کی گئی وہ سب کافی دیر تک جاگتے رہے۔

”بیٹا اب کب آؤ گے۔“ چاچا غفور نے پوچھا۔

”چند نہیں چاچا ٹریننگ کے بعد کہاں جاتا ہوں۔“ اس نے انہیں امید دلانا مناسب نہیں سمجھا ان کا چہرہ بچھ سا گیا تھا مگر وہ سب اٹھ کر چلے گئے وہ کچھ دیر محن میں بیٹھا رہا اور پانی پینے کے ارادے سے کچن میں آیا تو جیسی جیسی سسکیوں کی آواز پر چونک پڑا وہ رابعہ تھی جو فرش پر چٹھی رو رہی تھی۔ ”رابعہ کیوں رو رہی ہو میرے لیے مت روؤ کیوں اپنے آنسو صاف کر رہی ہو“ وہ سنگدل سے بولا تو رابعہ تڑپ گئی۔

”کوئی آس کا دیا کوئی روشنی کی کرن میری مٹھی میں نہیں چھائیں گے۔“ وہ بڑی امید لیے اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔

مہرہاں ہیں تیری آنکھیں مگر اے مونس جاں

ان سے ہر زخم تیرا تو نہیں بھر سکتا

ایسی بے نام مسافت ہو تو منزل کیسی

کوئی ہستی ہو بسیر اسی نہیں کر سکتا

”رابعہ میں تم کرو راہوں کا راہی ہوں تو جو محبت اور چاہت مجھ سے چاہو گی میں تمہیں نہیں دے سکوں گا۔“

وہ ایک دم اپنی بات کھل کر کے اس کی سنے بغیر نکل گیا تھا۔



آخر برس گزر چکے تھے وہ کامیاب پولیس افسر تھا۔ بھرموں کے ساتھ انتہائی بے رحم، بڑے بڑے قاتل اس کی سنگدلی سے پناہ مانگتے تھے اس نے تشدد کے نئے نئے طریقے ایجاد کر رکھے تھے وہ جسمانی اذیت کے بجائے ذہنی اذیت پہنچا کر اپنے مطلب کی باتیں معلوم کر لیتا تھا اسے ایک کام کی وجہ سے لاہور آنا پڑا تو اس کے قدم خود بخود انصر منزل کی طرف اٹھ گئے۔ پیا انتہائی بوڑھے ہو گئے تھے اسے بمشکل پہچان پائے۔ اب وہ تیس سال کا خود مراد اور بھرپور لڑکا تھا وہ سنی دیر اسے پہنائے محبتوں کی بارش سے اسے بھگوتے رہے۔ اسے دیکھ کر حسن کا منہ بن گیا تھا مگر اب وہ اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا تھا اس کا اپنی اور کسرتی جسم دور سے ہی مرعوب کر گیا تھا فرزانے بھی اس کی آمد کو پسند نہیں کیا تھا سلاطہ اور گئی کے ذہن میں بھی زہر بھرا ہوا تھا انصر نے اسی رات فون کر کے اپنے دیکس کو بلا کر ساری جائیداد بینک بینکس اس کے نام کروا دیا تھا اکثر جائیداد فرزا اور حسن ہڑپ کر گئے تھے نازاں کی ابھی تک شادی نہیں ہوئی تھی، سبکدین زیادتی والا قصہ انہوں نے بھر دیاں بتورنے کے لیے سنایا تھا جو نازاں کے حق میں ذہر قاتل ثابت ہوا تھا وہ اپنے ہی دام میں پھنس گئی تھی سبکدین کے یہاں قیام کے دوران وہ اس سے بڑی محبت سے پیش آئی اس کی یہاں موجودگی کے دوران ہی پیدا پردل کا آخری ایک ہوا اور وہ خالق حقیقی سے جا ملے مرنے سے پہلے وہ جان گئے تھے کہ ان کا بیٹا بے قصور ہے۔

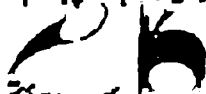


سبکدین دوبارہ وہاں کے بعد آیا اس نے بونٹ سے نازاں کو فون کیا وہ دوڑی چلی آئی۔

”نازاں میں تم سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔“ اس نے دھا کہ کیا۔

”م.....م..... مگر.....“ نازاں کے ہونٹ کپکپا گئے۔ ”تم پہلے می سے بات کرو۔“

”مجھے ظلم ہے تمہارا بھائی اور می تمہاری شادی نہیں ہونے دیں گے اس لیے میرا خیال ہے کہ پہلے ہم کورٹ میرٹ کریں گے پھر نہیں



متائیں گے تم کل آ جانا ہم مانسمو جا کر شادی کریں گے اگر تمہیں اعتراض ہے تو مت آنا۔“

اس نے نازاں کی جان گویا سولی پر لٹکا دی۔ دوسرے روز آگئی وہ سبکدین والا کے کاغذات بھی لے آئی تھی جو اس نے الزام لگا کر حاصل کئے تھے۔ بونٹ سے چپک آؤٹ کر کے وہ مانسمو روانہ ہو گئے۔ سبکدین بستر پر اس کے کپڑے ڈال گیا تھا جو اس نے نہا کر بدل لیے اور ہلکا ہلکا میک اپ بھی کر لیا اس نے آئینے میں خود کو دیکھا تو شرمائی۔

”سبکدین میں آج تمہیں جیت لوں گی۔“ وہ پر غرور انداز میں اپنے عکس کو دیکھتے ہوئے بولی۔

”مولوی صاحب آئیں یہ ہے دلین۔“ سبکدین خود مولوی کے ساتھ اندر آ گیا اسے دلین کے لفظ پر گدگدی ہوئی وہ سمٹ کر بیٹھ گئی۔

”رہا ابھر آؤ“ آفس سے واپسی پر وہ اسے پکار رہا تھا رہا باب بانی کو کندھے سے لگائے تھپک رہی تھی آج بانی نے پہلا قدم اٹھایا تھا اسے بہت خوشی ہوئی تھی وہ دانت بھی نکال رہا تھا سلجوق اور وہ سارا دن بار بار اپنی انگلی اس کے منہ میں ڈال کر بانی سے کنو اتے رہتے وہ بھی قلعار یاں مار کر خوش ہوتا جیسے کوئی معرکہ سر کر لیا ہو اس نے بانی کو دیوار کے پاس کھڑا کیا اور خود قدرے دور بیٹ گئی۔

”مجھے پھڑو۔“ اس نے تالی بجائی بانی ننھے منے قدم اٹھاتا مگر تپڑا اس تک پہنچ گیا رہا باب نے اسے چوم چوم کر سرخ کر ڈالا تھوڑی دیر پہلے ہی وہ اس کے کندھے سے لگے لگے سویا تھا۔ سببگین کے جنادے پر وہ اسے یونہی اٹھائے آگئی۔

”جی۔“ وہ دروازے میں کھڑی تھی۔ سببگین جوتے اتار رہا تھا۔

”اسے تو جا کر لٹا آؤ۔“ رہا باب کو یوں لگا جیسے وہ بانی کو اس کے ساتھ دیکھ کر خوش نہیں ہوا ہے۔

”تو بہ کیسا باپ ہے۔“ اسے دل میں دکھ سا محسوس ہوا۔

”جو کہتا ہے کہ بلیں میں ایسے ہی تھیک ہوں“ اس نے بانی کو دوسرے کندھے پر منتقل کیا دوسرے جھٹک کر رہ گیا۔

”یہ پیکٹ اٹھاؤ۔“ اس نے سر مٹی شاہر کی طرف اشارہ کیا۔ رہا باب نے اٹھالیا وہ کافی بھاری تھی اس نے کمرے میں آ کر دیکھا تو خوشی سے

اس کا دل بلیوں اچھلنے لگا وہ بی اے کی کتابوں کا سیٹ تھا اس نے بے اختیار کتابوں کو سینے سے لگا لیا۔ وہ سببگین کو کھانا دینے آئی تو اس نے بیٹلے کا کہا بانی اور سلجوق دونوں سوچے تھے وہ شدت سے مختصر تھی کہ وہ کیا کہتا ہے کھانا کھا کر وہ ہاتھ دھوئے چلا گیا وہ برتن رکھ آئی۔

”جاؤ اپنی کتابیں لے آؤ۔“ سچم ہوا وہ لے آئی۔

”چیک کر لی ہیں ناں تمہاری مطلوبہ کتابیں یہی ہیں۔“ اس کا لہجہ استغباریہ تھا۔

”یہی ہاں یہی ہیں۔“

”میں تمہاری کتابیں لے آیا ہوں حالات بہتر ہوتے تو میں تمہارا ایڈیشن بھی کر دیتا۔ ابھی تھوڑی سی پرا بلیم ہے انشاء اللہ بہت جلد

تمہاری اسٹڈیز ریگولر ہو جائے گی تب تک تم جو چیزیں مس ہوئے ہیں مجھ سے پڑھ لو“

اس پر شاہی سرگ کی سی کیفیت طاری تھی اس کا ذہن اسی بیٹلے پر اٹکا ہوا تھا۔ ”انشاء اللہ تمہاری اسٹڈی بہت جلد ریگولر ہو جائے گی۔“ یعنی

وہ دوبارہ سے پڑھ سکے گی اپنے خوابوں کی تکمیل کر سکے گی۔ سامنے بیٹھے اس شخص نے ابھی جو کہا تھا کیا وہ اس کی سماعتوں کا فریب تھا یا سچ تھا۔

”کیا واقعی میں دوبارہ پڑھ سکوں گی۔“ وہ یوں پوچھ رہی تھی جیسے اسے یقین نہ آیا ہو۔

”ہاں اس لیے تو تمہاری کتابیں لایا ہوں اب تو یقین کر لو۔“ وہ ہلکے سے جان لیوا انداز میں ہنسا۔

”تھیک یو میس آپ کا یہ احسان کبھی نہیں بھلا سکوں گی۔“ مارے منونیت کے اس کی آواز بھر اگئی۔

”میں نے تم پر کوئی احسان نہیں کیا ہے بلکہ ایک احسان اتارا ہے جو برسوں پہلے میرے اوپر کسی مہربان نے لا دیا تھا۔“ اس کی لگا ہوں

میں وہ مضطرب رہا گیا جب برسوں پہلے وہ لاہور پہنچی سن کا بج سے اپنے ڈاکو خنفس غلور چا چا کے کہنے پر لینے آیا تھا۔ یہ دیا جلتے رہتا چاہئے تھا اس احسان کے سلسلے کو جاری رہتا چاہئے تھا اس نے کسی سفر نامے میں ایک سیاح کے واقعات پڑھے تھے جس کی جیب انڈیا میں قیام کے دوران کٹ گئی تھی اس پہ ہول کا بل واجب الادا تھا سفر کے لیے پھوٹی کوڑی نہ تھی اسی پریشانی کے عالم میں اسے ایک سکھ ملا اس آدمی نے اپنی پریشانی اسے بیان کی تو سکھ نے مطلوبہ رقم اسے ادھار دی سیاح نے وعدہ کیا کہ میں اپنے ملک جاتے ہی آپ کی رقم بھیج دوں گا خیر وہ سیاح واپس گیا تو وعدے کے مطابق اس سکھ کو رقم مئی آرڈر کر دی۔ مگر رقم جوں کی توں واپس آگئی سکھ نے خط لکھا تھا کہ جب تم کسی اپنے جیسے پریشان حال پر ویسی کو دیکھو تو یہ رقم اسے دے دینا برسوں پہلے میں بھی تمہاری طرح کی صورت حال میں گرفتار ہو گیا تھا تو ایک شخص نے مجھے رقم دی تھی میں نے جب اسے پیسے واپس کئے تو اس نے دوبارہ مجھے دے دینے اور جو میں نے تمہیں کہا اسی نے مجھے کہا تھا کہ لہذا جب تم مجھ سے پچھرائے تو اس رقم کے اصل مستحق مجھے تم ہی ملے تم بھی اپنے جیسے کسی مستحق کو دے دینا۔“

سبکدوش پر اس قصے نے خاصا اثر ڈالا تھا اس احسان کا مستحق رباب کے علاوہ کوئی نہیں تھا جو تھیں پکڑتے پکڑتے مگر سے دور نکل آئی تھی اور اسے واپس کارا نہ ہی یاد نہیں تھا ضروری تھا کہ اس کی درست رہنمائی کی جائے۔

”کیا ہو گی۔“ اس نے رباب کا دھیان پٹانے کی خاطر پوچھا۔

”وکلیٹ یا جرنلسٹ“ اس نے جواب دیا۔

”تم میڈیکل یا انجینئر کے شعبے کو بھی منتخب کر سکتی تھیں لاہور یا جرنلزم پڑھنے کی کوئی خاص وجہ کیوں کہ یہ دونوں شعبے لڑکیوں کے لیے خاصے بارڈر اور ٹیٹ ہوتے ہیں۔“

”ہاں ایک وجہ ہے جب میں چھوٹی تھی تو مارشل آرٹ سیکھنا چاہتی تھی تاکہ جو میرے اوپر زیادتی کرے میں اس کے ہاتھ توڑ سکوں رفتہ رفتہ مجھ پر کھلا کر میں خیالی دنیا میں رہتی ہوں جیسے فلموں کی ہیروئن ہوتی ہیں جو دشمنوں کو مار مار کر پھیر کر نکال دیتی ہیں میں نے بچپن میں جب چچا زندہ تھے ایک فلم دیکھی تھی چچا کے مرنے کے بعد ایکشن اور مارشل آرٹ کے جوہر میرے ذہن پر چھا گئے تھے اس لیے میں مارشل آرٹ سیکھنا چاہتی تھی جوں جوں بڑی ہوتی گئی حقیقت منکشف ہوتی گئی کیوں نہ میں اپنی ذہانت سے سب کو شکست دوں کہ جو کام میرے ہاتھ نہیں کر سکتے وہ دماغ تو کر سکتا ہے میں کمزور ہوں ارادے تو کمزور نہیں ہیں۔“ وہ جذب سے بولتی تھی۔

”بہت خوب، مان گیا۔“ سبکدوش نے تالی بجائی تو وہ جھینپ گئی۔

”پھر کب سے پڑھائی شروع کرنے کا ارادہ ہے۔“

”ابن کھل سے ہی شروع کر لیتی ہوں۔“

”معدرات دس سے لے کر بارہ بجے تک کا وقت مناسب رہے گا تب تک بانی اور سلوک سوجاتے ہیں تم آرام سے پڑھنا جو ابواب رو گئے ہیں انہیں جلد کدو کرنے کی کوشش کرنا۔“ رباب نے سر ہلایا۔

”اب میں جاؤں۔“ وہ اجازت طلب لگا ہوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

”کون سا میرے کہنے سے روکی۔“ وہ ذومعنی انداز میں بولا تھا۔

رات وہ بانی اور سلوک کو سلا کر کتا میں لے کر اس کے پاس آگئی اس کے پڑھانے کا انداز عام فہم اور بھرپور تھا اسے کہیں بھی مشکل نہیں ہوئی پہلے دن اس نے اسے ڈیڑھ گھنٹہ پڑھایا۔

”اچھی لڑکی اب سو جاؤ دن بھر کام کرتی رہتی ہو تھک گئی ہوگی۔“ وہ نرمی سے بولا تو رباب کو بہت اچھا لگا کاتھنے دن بعد ہی سہی اسے اس کا خیال تو آیا ہے پھر اس نے اسے اچھی لڑکی کہا تھا یہ پہلا شخص تھا جس نے اس واقعے کے بعد اس کی اچھائی کا اعتراف کیا تھا۔ یوں لگ رہا تھا رباب کے بارے میں اس کے خیالات بدل رہے ہیں یا ایک خوش آئند بات تھی۔

☆ ☆ ☆

سبکدوش کا دوست آیا ہوا تھا اس نے اسے چائے لے کر ڈرائنگ روم میں آنے کو کہا تھا۔ وہ ٹرائی کو دھکیلتی اندر چلی آئی سبکدوش کا دوست اسے دیکھ کھڑا ہو گیا تھا رباب نے اسے سلام کرنا چاہا تو دیکھ کر حیران رہ گئی۔

”احتشام بھائی آپ۔“

”رباب آپ۔“ دونوں کے منہ سے یک وقت نکلا سبکدوش دونوں کی حیرانی کو انجوائے کر رہا تھا۔

”تم مجھے شادی پر بلا نہیں سکتے تھے۔“ وہ ناراضگی سے بولا۔

”تم تو ہمیشہ ہی سڑ میں رہتے ہو کیسے بلاتا۔“

”آئی ایم سوری رباب میں اور احتشام دوست ہیں یہ میرا بڑا بھائی کا دوست ہے اگرچہ ہم دونوں کی دوستی زیادہ پرانی نہیں ہے۔“ سبکدوش نے تعارف کر دیا تو رباب نے اسے بتایا کہ مسز جواد کے خوالے سے ان سے جان پہچان ہے۔

”سبکدوش تم بہت لکھی ہو، رباب بہت عمدہ لڑکی ہے مضبوط کردار کی، سچ پوچھو تو مجھے ان بہنوں کی بلند کردار کی نے ہی متاثر کیا تھا رباب کے خیالات بڑے سلیقے اور سلیجے ہوئے ہیں آپنی نے مجھے بتایا تھا کہ کالج میں پڑھائی کے بعد یہ لڑکی ٹیوشن دے کر گھر آتی تھی راتوں کو جاگ جاگ کر اخبار کے لیے آرٹیکل لکھتی تھی میں ان بہنوں کی مضبوطی پر بہت حیران ہوتا ہوں ہاں ان کا ٹیس ہے بھائی بھی نہیں ہے اس کے باوجود بھی یہ اتنی فرما نیر دار اور نیک ہیں۔“ احتشام نے کہا تو وہ چونک پڑا۔

”اچھا کل اسی کی بہن ہے وہی لڑکی جسے تم پسند کرتے ہو مجھے یاد آگیا ہے تم دو بہنوں کا بہت تذکرہ کرتے تھے واہ کتنا حسین اتفاق ہے ان میں سے ایک میری بہن بھی ہے۔“

”ہاں تم تو منزل پاچھے ہو میں بھک رہا ہوں اور جانے کب تک بھکتا رہوں گا رباب اور کل جیسی لڑکیاں تو قسمت والوں کو ملتی ہیں۔“ احتشام کے لہجے میں حسرت سی تھی۔

"ماپوں کیوں ہوتے ہو، میں ہوں ناں تمہارے ساتھ، میں تمہارا مقدمہ لڑوں گا۔"

"ہاں تیسری بار مقدمہ لڑا جائے گا اور تیسری بار میں پھر بار جاؤں گا۔"

"اے تھو ملی نہ بنواند بہتر کرے گا میں بھی کچھ کرتا ہوں فی الحال یہ چائے لو۔" سبٹگین نے چائے کی پیالی اسے تھمائی۔

"سنوکل ٹھیک آٹھ بجے تم اور رہا بانی کی پہنچ جانا تمہاری دعوت ڈیو ہے مجھ پر، اگلے روز تم مجھے پی سی میں ڈنر دے کر حساب برابر کر دینا۔"

چلتے چلتے احتشام نے اسے پھر یاد دہانی کرائی تو وہ اس کی چالاک پر مسکرا دیا۔

بانی اور سلطوق کو اس نے شام میں سلوٹ کی طرف چھوڑ دیا تھا رہا بانی وارڈ روم میں سے کپڑے نکال کر پھیلائے ٹیٹھی تھی سمجھ ہی نہیں آ رہا تھا کہ کیا پہننے کی بری اور جہیز کے اکثر سوٹ یونی سوٹ کیس میں بند تھے کاہلارڈیشی کپڑے اسے خاص پسند نہیں تھے اس لیے وہ سادہ کپڑے ڈھونڈ رہی تھی۔ ریڈ اور سیلو کلر کا سوٹ اس نے اٹھایا سیلو کلر کا چمڑی دار پاجامہ تھا سیلو کلر کی اوپن شرٹ تھی جس کی آستینوں پر ریڈ بارڈر بنا ہوا تھا اس نے ڈیزائن کا دوپٹہ تھا۔ اس نے پہن کر دیکھا تو اپنا سراپا اچھا لگا بال برش کر کے اس نے کھلے چھوڑ دیے۔ وہ تیار ہو کر باہر نکل تو سبٹگین گاڑی نکال رہا تھا رہا بانی کا خیال تھا کہ وہ کوئی ستائشی جملہ کہے گا مگر اس نے تو ایک نظر تک نہیں ڈالی اسے افسوس سا ہوا۔ واپس آ کر بھی وہ یونی رہا جانے ایک دم وہ سخت سا کیوں ہو گیا تھا، اس نے سلوٹ کے گھرفون کر کے کہا کہ ہم واپس آ چکے ہیں رحیم کے ساتھ سلطوق اور بانی کو بھجوا دیں۔

اس وقت رات کے دس بج چکے تھے سردیوں کی طویل رات تھی تمام لوگ اپنے اپنے گھروں کی نرم و گرم پتاہوں میں بخواب تھے اس وقت رہا بانی کا فون کرنا سلوٹ کو حیران کر گیا اور قدرے خوشی بھی اس غیر لڑکی کو جوان کے خیال میں چھوٹی اور نا تجربہ کار تھی بانی اور سلطوق کا کتنا خیال تھا اس کی جگہ کوئی اور متاثر گزریا نہ کرتا۔ فون کر کے یہ سیدورکھ کر مزی تو سبٹگین کو درد اڑے پر کھڑکے پایا اچھا اسے کافی غضب تاک نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔

"یہ اس وقت فون کر کے بانی کو سلطوق کو بلانا ضروری تھا وہ کہیں بھاگے تو نہیں جا رہے تھے اپنوں کے پاس تھے۔"

اسے سبٹگین کا غصہ کرنا بھایا نہیں۔

"مجھے اکیلے سونے کی عادت نہیں ہے ناں اس لئے۔" اس نے ٹولی ٹنگری سی ویل دی۔

"دوسروں کو اکیلا کرنے کی عادت ہے۔" وہ تھکی سے بولا اور پلٹ گیا۔ یہ بانی اور سلطوق تو اس کے رقیب بننے جا رہے تھے جب بھی دیکھو

اس کے پاس گھسے رہتے بانی تو اس کی جان چھوڑتا نہیں تھا سلطوق سارا دن کے پیچھے پیچھے گھومتا رہتا اور اس بے خبر کو بھی تو ان دونوں کے سوا دنیا جہاں کی گویا خبری نہیں تھی لگتا تھا اس کی جان ان دونوں میں ہے وہ ذرا بھی اوچھل ہوتے وہ بے قرار ہو جاتی گزشتہ کچھ روز سے اسے یہ محبت و لگاؤ ایک آنکھ نہیں بھار رہی تھی نہ جانے کیوں جی چاہتا کہ وہ ان سے لاپرواہ ہو جائے۔

☆☆☆

اسے مراد کے ساتھ سول کپڑوں میں کہیں جانا تھا اس نے مراد سے کہا تھا تم تیار رہنا میں تمہیں اپنی گاڑی میں پک کر لوں گا۔ سبٹگین شرٹ

پہنے لگا تو دیکھا اس کا اوپر والا ٹخن ڈھیلا ہے یوں لگ رہا تھا کسی بھی لمبے ٹوٹ کر گر جائے گا اس نے رہا بانی کو آواز دی وہ بانی کو اٹھائے چلی آئی۔

”یہ جن تو ذرا ٹھیک کر دو۔“ اس نے شرٹ کی طرف اشارہ کیا۔

”دیکھیں بانی اتنی مشکل سے چپ ہوا ہے اگر میں نے اسے نیچے اتارا تو یہ پھر روتا شروع ہو جائیگا آپ خود بن لگائیں۔“ اس نے بانی کو چکارہ دے دئے اسے مشورہ دیا تو بیکٹین کی رگیں تن گئیں۔

”مہتر مدھی ایس ایس کے بعد میں نے پولیس کی ٹریننگ لی تھی بن لگانے کی نہیں۔“ اس کا اندرونی غصہ چہرے پر بھی جھلک آیا تھا۔  
رباب گھبرا گئی۔

”اچھا مدین لگا دیجی ہوں۔“ اسے غصیلے لوگوں سے ڈر لگتا تھا اس لیے بانی کو ٹھیل کے ساتھ کھڑا کر کے فوراً اس کے پاس آئی بیکٹین خاصا لمبا تھا رباب کو بچوں کے مثل کھڑے ہو کر بن لگانے کا معرکہ سر کرنا پڑا تھا بانی چلتے چلتے اس کے پاس آ گیا تھا وہ بن کے سوراخ میں سوئی ڈالتے ہوئے بانی کی طرف متوجہ ہوئی۔

”بانی جانو بس ایک منٹ“ ہاتھ شرٹ پر مصروف عمل تھے اور نظر بانی پر، سوئی بڑے زور سے بیکٹین کے سینے میں تھکی تھی۔  
”بائیں یہ سوئی کہاں مکی۔“ وہ ذرا اونچی ہوئی۔

”یہ بے سوئی۔“ اس نے زور سے سوئی کھینچ کر نکالی تو وہاں خون کا ایک نیچا سا قطرہ ابھرا آیا۔ یہ چھوٹی سوئی تکلیف اس کے لیے خاص اہمیت نہیں رکھتی تھی، تکلیف تھی تو رباب کی بے نیازی کی جو اس کے اتنے قریب ہوتے ہوئے بھی بانی ہی میں اٹھی ہوئی تھی۔  
”اہم سوئی میں نے دیکھا ہی نہیں۔“

”ہاں میں بھلا آپ کو کہاں نظر آ سکتا ہوں جائیں بانی کو افھائیں وہ آپ کے لیے بے قرار ہو رہا ہے۔“ وہ سخت رکھائی سے بولا وارڈ روب سے دوسرا سوٹ نکالنے لگا رباب کو آپ مخاطب کرتا اس کی تاریک منگی کی نشاندہی کر رہا تھا مگر رباب کو کہاں پر دانتی وہ تو جان چھوٹنے پر شکر ادا کرتی بانی کو لے کر چلی گئی تھی۔

☆☆☆

آج سلجوق اس کے پینر روم میں تھمس گیا تھا اور خاصی دیر اس کی اہم چیزوں سے چھینر چھاڑ کر تارہا نہ جانے کس طرح اس نے سیاہی کی بوتل کھوٹی تھی کھلی بوتل چھوٹ کر فائل پر گر گئی تھی بیکٹین نے دیکھا تو زوردار چھینر دے مارا اور زور سے رونے لگا رباب بھاگتی ہوئی آئی۔

”پاپا اکلنے مارا ہے، پاپا اکلنے مارا ہے، پاپا اکل گئے۔“ اس نے گال پر دونوں ہاتھ رکھے ہوئے تھے اس بری طرح سے وہ سسک کر دروازہ پر ہاتھ رباب نے جھٹ سے اسے افھالیا تھا۔

”کتنے مشکل باپ ہیں آپ، آپ جیسا شقی القلب شخص میں نے آج تک نہیں دیکھا ہے، آپ نے اس معصوم کو کتنی زور سے چھینر مارا کیا اسے لگا نہیں ہوگا، غرت ہے مجھے آپ سے۔“ وہ سلجوق کے ساتھ خود بھی رو رہی تھی روتے روتے وہ اسے افھا کر اپنے کمرے میں چلی آئی تھی۔

سلجوق کسی طرح بھی چپ ہونے میں نہیں آ رہا تھا اسے دیکھ دیکھ کر بانی بھی روئے جا رہا تھا اور وہاں دونوں کو لپٹانے رو رہی تھی جیسے آج

یہ یتیم ہوئی ہو۔ سلجوق اور رہاب نے رات کو کھانا نہیں کھایا اور یونہی سو گئے۔

بیکٹین کے دل میں تاسف کی لہری اٹھی اسے خود پر بے پناہ غصہ آ رہا تھا بھنار باب کا بدلہ سلجوق سے لینے کی کیا تک تھی اس نے تو کبھی اسے ڈانٹا تک نہیں تھا اور آج اس پر ہاتھ اٹھا بیٹھا تھا اسے بھی جھن نہیں آ رہا تھا بستر پر جیسے کانٹے آگے آئے تھے وہ اٹھ کھڑا ہوا اور ہانی اور سلجوق کے مشترکہ بیڈ روم کی طرف بڑھا۔ ہانی آج بے بی کاٹ میں سو رہا تھا رہاب اور سلجوق ساتھ سوئے ہوئے تھے۔ رہاب کا ایک بازو اس کے سر کے نیچے تھا اور دوسرا اس کے گرد مضبوطی سے لپٹا ہوا تھا سلجوق نے بھی اسے آخری سہارے کی طرح قہما ہوا تھا۔

وہ آہستہ آہستہ چلتا ہوا بیڈ کے پاس آ کے کھڑا ہو گیا اور سلجوق کو اس کے گھیرے سے نکالنے کے لیے جھکا رہاب باب کی آنکھ کھل گئی سلجوق بھی جاگ گیا ساتھ ہی اور بھی مضبوطی کے ساتھ رہاب سے لپٹ گیا تھا۔

”یار معاف کر دو ناں مجھ سے غلطی ہو گئی ہے۔“ اس نے اسے رہاب سے الگ کر لی۔

”نہیں ہے آپ ہر گزے پاپا انکل یہاں تو بہت اچھے ہیں جب وہ آئیں گے تو میں انہیں بتاؤں گا کہ چپا انکل جہت مند ہے ہیں۔“ تو بہ کتنا شگدل بچہ جا سے باپ کو کہنے سے انکار ہو گیا۔

”ہاں ہاں بیٹا بتاتا۔“ اس نے اپنے لب سلجوق کے کمال پر رکھ دیے اور اسے سینے سے لپٹا لٹا اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

”آج ہم دونوں سوئیں گے صبح میں تمہیں ڈھیر ساری چاکلیٹیں دلاؤں گا۔“ وہ اسے لالچی سے اپنی طرف مائل کر رہا تھا۔ رہاب کو دل میں بہت غصہ آیا وہ اسے اٹھا کر چٹا بنا تھا۔

دوسرے روز ڈیوٹی سے واپس آ کر تمام وقت ہانی اور سلجوق کے ساتھ کھیل رہا باب ان دونوں کا واضح طور پر جھکاؤ اس کی طرف تھا رات وہ کھینچے کھینچے اس کے پاس ہی سو گئے تھے رہاب کو بری طرح رونا آیا وہ خالم دیو بچوں پر قبضہ جما کر بیٹھ گیا تھا وہ ہانی کو لینے اس کے پاس آئی دونوں بھائی سو رہے تھے اور وہ بیٹھا سوئی ہی کتاب میں غرق تھا اس نے ہانی کو اٹھانا چاہا تو اس نے روک دیا۔

”آں ہاں نہیں یہ میرے بچے ہیں میرے پاس سوئیں گے۔“

تو کیا وہ ان کی کچھ نہیں لگتی جو ان سے اتنی محبت کرنے لگی ہے پہلے اسے اپنے بچے یاد نہیں آئے جو آج حق جتا رہا تھا اس کے گلے میں پھندا سا لٹکنے لگا گویا اس کی ساری ریاضتیں بیکار رہی تھیں وہ چپ چاپ واپس آ گئی رات ہانی جب گا پھاڑ پھاڑ کر رو یا تو والد محترم خود اسے رہاب کے پاس چھوڑ گئے۔

☆☆☆

رہاب دو پہر کو سو کر اٹھی تو ڈرانگ روم سے باتیں کرنے کی آوازیں آ رہی تھیں اس نے جہان کو کھل آلی تھیں ساتھ میں بیکٹین بھی تھا۔

”ہائیں یہ کب آئے اور کھل آئی.....“ وہ سوچ رہی تھی۔

”بیکٹین بھائی اگر ایسا ہو جائے تو اچھا ہے، ارے رہاب آؤ ناں رک کیوں گئیں میں آئی تو تم سو رہی تھیں انہوں نے روک دیا کہ مت

اٹھنا۔" نکل کی نظر بولتے بولتے اس پر چڑی تو اسے پکار لیا وہ اس کی گود میں سر رکھ کر کارپٹ پر بیٹھ گئی۔

"آپنی میں آپ کے پاس آکر رہنا چاہتی ہوں میں بہت خوفزدہ ہوں۔" اتنے دنوں بعد آپنی کو دیکھ کر دل ضدی بچہ بن گیا تھا وہ دھیرے دھیرے اس کے بالوں پر اٹھیاں پھیرنے لگی جیسے امی پھیرا کرتی تھی وہ بھی تورات کو ان کے پاس سوتی تھی نکل کو اکثر اوقات ہنسی آ جاتی تھی۔

"اتنی بہادر بنتی ہو چڑیا سادل ہے۔" وہ اسے پھینرتی تھی۔

"رہا باب تمہارے لیے وہیں کچھ نہیں بچا ہے مت آنا کوئی تمہارا منہ نہیں ہے یہی تمہارا گھر ہے کیوں بے گتین بھائی۔" اس نے تائید چاہی۔

"نہیں آپنی میں جاؤں گی میری امی کی نشانیاں ہیں پچا اور بڑے ہو کی خوشبو ہے وہیں، میں جاؤں گی اپنے کمرے میں، آپ کے پاس سوؤں گی"

وہ ان ہی نہیں رہی تھی نکل رنج ہوئی وہ اس بے وقوف لڑکی کو کیسے سمجھائے کہ اس گھر میں اس کے لیے جگہ نہیں ہے تو رہا باب کے لیے کہاں

منجائش ہو گی شاہ میر کے پر و پزل کے بعد فضا میں تاؤ سا آ گیا تھا کیوں کہ افشاں، خمار اور اسماء کے لیے مطلوبہ رشتہ دل ہی نہیں رہا تھا اس عالم میں

کوئی پر و پزل نکل کے لیے آئے کسی کو کہاں گوارا تھا۔ فدا لگ خضے میں تھا جیسے سارا تصور ہی اس کا ہو۔

دور نکل بھی بے گتین اٹھ کر چلا گیا وہ اپنی پر اس کے ساتھ احتشام تھا نکل اسے دیکھ کر چونک گئی۔

"رہا باب آؤ مہمان کی خاطر مدد کرتے ہیں۔" بے گتین نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اٹھایا اور باہر لے گیا۔ کمرے میں خاموشی دیر خاموشی طاری

رہی احتشام کی آواز نے اس خاموشی کو توڑا۔

"نکل کیسی ہیں۔"

"نمیک ہوں۔"

"نکل میں آپا کو ایک بار آپ کے گھر بھیجنا چاہتا ہوں۔"

"نہیں احتشام خدا را ایسا مت کریں مجھ میں اور تیرے کھانے کی بہت نہیں ہے میرے ساتھ ان تیروں کی لپیٹ میں میری معصوم بہن رہا باب

بھی آ جاتی ہے میں خواب نہیں دیکھنا چاہتی۔"

میں خزاں کی دھوپ کا ہوں آئینہ میں اک ہوں کہ ہزار ہوں

کہیں آنسوؤں کے قافلہ کہیں جھٹکوں کی قطار ہوں

کوئی تار انوث کے گر گیا کوئی چاند چھت سے اتر گیا

کسی آسمان کی چال ہوں جو نگر گیا وہی بار ہوں

"نہیں نکل خدا را ایسے مت کہو میں تمہیں ٹوٹا تار نہیں بنے دوں گا بس تم ایک بار ہاں کر دو باقی تمام کام بے گتین کرے گا۔" وہ منت سے

بول رہا باب احتشام کی یہاں موجودگی کی وجہ سے سمجھ میں آئی تھی اس خیال سے وہ جھینپ گئی کہ بے گتین کو سب کچھ پتہ ہے۔

"مگر رہا باب کو کوئی نہیں نہیں گنسی چاہیے۔" وہ نرم رضامندی سے بولی۔



”بابائیں گلے کی رباب کو نہیں، اس کے لیے سبکدوش کافی ہے یہ اب اسی کا کام ہے تمہیں شاید اس کے لیے اتنا اداس دیکھ کر مجلس ہی ہو جائے۔“ وہ مزے سے بولا۔

”کیوں۔“

”تمہارے لیے کوئی اتنا زیادہ فکر مند ہو تو میں اس سے ڈاکل لڑنے کے لیے تیار ہو جاؤں گا وہ تو پھر پولیس آفیسر ہے آیا کچھ شریف میں کہ نہیں۔“ وہ شوخ لہجے میں بولا تو کل کے چہرے پر نالی چھا گئی۔

رباب آدھے گھنٹے سے لڑے سجائے اندر جانے کے لیے بے تاب کھڑی تھی مگر سبکدوش دروازے کے آگے جمنا کھڑا تھا دو بار اسے ڈانٹ بھی چکا تھا۔

”آپ مجھے اندر کیوں نہیں جانے دے رہے سب کچھ غصہ ابورہا ہے۔“ وہ روہانسی ہو گئی۔

”تم کیوں نہیں وقت پر دن کی طرح انٹری دینا چاہتی ہو، خواہ تو عالم سناج بنے کا شوق ہے تمہیں۔“ پھر اس نے ڈانٹ دیا۔

”مجھے کوئی شوق نہیں ہے عالم سناج بننے کا۔“ وہ اس الزام پر ٹھٹھکی۔

”ہے ناں جیسی تو کہہ رہا ہوں اور میرے معاملے میں تم ہی عالم سناج ہو۔“ وہ مزے سے بولا۔

”اچھا مجھے جانے دیں کافی دیر ہو گئی ہے انہوں نے بات کر لی ہوگی۔“ سبکدوش نے اس کو احتشام کی وجہ آدھے آگاہ کر دیا تھا اس کے لیے یہ خوشی کی بات تھی کہ جس آپی کی ان سے شادی ہو جائے۔

”مجبور ہیں تو ہم عذر تو تم ہو۔“ رباب نے لے کر نکلی تو پیچھے سے وہ منگنا یا اس نے سنی ان سنی کر دی۔ کمرے کا ماحول بدلا بدلا لگ رہا تھا احتشام بھائی کے ہونٹوں پہ مسکراہٹ تھی اور کل آپی جھینپی جھینپی لگ رہی تھی سبکدوش کے روکنے کی وجہ سے سمجھ میں آگئی تھی۔

☆☆☆

پھر اس صدی کی سب سے حیرت انگیز بات یہ ہوئی کل کے لیے کہ سب گھر والوں نے احتشام کا پروپوزل اوکے کر دیا خوشی سے رباب کی حالت غیر ہو گئی تھی امی کے مرنے کے بعد یہ سب سے پہلی اور بڑی خوشی اسے ملی تھی اگر نہ اپنی شادی تو اسے جرم ہی لگتی تھی جب لوگ کہتے کہ بڑی کے بجائے پہلے چھوٹی کی کیوں ہوئی تو اسے بہت دکھ ہوتا اس نے اپنی خواہش اور خوشی سے تو اپنی شادی نہیں کی تھی۔

سبکدوش دیر سے گھر آنے لگا تھا وہ اور احتشام دونوں ساتھ نکلتے تھے پھر سبکدوش نے کل کی شادی کے لیے ڈیڑھروں شاپنگ کی اس کے لیے ٹلفنس خریدے رباب کو کل کے لیے اس کی یہ توجہ بہت دلچسپیت بہت اچھی لگی تھی۔ کل کی مایوں کی رات جب سب چلے گئے تو وہ رو پڑی تھی سبکدوش اور رباب وہیں تھے۔

”کل کیوں رو رہی ہو۔“ وہ اس کے پاس بیٹھ گیا تھا۔

”آپ نے میرے لیے بھائیوں سے بڑھ کر کیا ہے۔ اگر میرا کام بھائی ہوتا تو وہ بھی نہ کرتا آپ انسان نہیں فرشتہ ہیں۔“ وہ ہیکے ہیکے

”میں انسان ہوں فرشتہ نہ بناؤ کیونکہ فرشتے میری طرح نہیں ہوتے اور میں تمہارا بھائی ہی تو ہوں تمہاری مشکلات کے دن گئے جا چکے ہیں تم کوئی لاوارث اور بے سہارا نہیں ہو، میں ہوں تمہارا اکل فائدہ دار بھائی۔“ اس نے گل کے سر پر اپنا مضبوط ہاتھ رکھا تو وہ اس کے کندھے سے سر نکال کر خوب روٹی دو دھیرے دھیرے اس کا سر تھپتھار بائیں کے رونے میں کی آگئی۔

گل اور احتشام کی شادی پورے دھوم دھڑکے کے ساتھ ہوئی۔ عاقب بھی آیا ہوا تھا۔ رباب نے دیکھا اس کا چہرہ بجھا بجھا سا ہے لیکن حال فائدہ کا تھا اس کے چہرے پر سب کچھ کھودینے کا غم نمایاں تھا آنکھیں دھواں دھواں تھیں۔ رباب نے ایک بات نوٹ کی کہ جیسے شادی کی یہ رسمیں مجبوری کی حالت میں سہرا انجام دی جا رہی ہوں آمنہ اور رفعت چچی کے ہونٹوں پر مجروح سی مسکراہٹ تھی افشانی اور غم ارا سے پوری شادی میں نظر نہیں آئیں۔ اسے عریضہ اور مہموکی باتیں یاد آ رہی تھیں کہ کبھی تھیں دیکھیں گے جب تمہاری گل آپنی کے لیے کوئی شہزادہ آئے گا اور سچ سچ وہ شہزادہ آگیا تھا۔ قیدی شہزادی کو رہا کروا کر وہ آسودہ فضاؤں میں لے گیا تھا جہاں تھمن اور جس نہیں تھا۔ اللہ نے صابر دل کے لیے بشارت دی ہے گل کو مہر کے انعام میں احتشام جیسی خوش خبری ملی تھی شادی کے تیسرے دن وہ احتشام کے ساتھ وہ لڈنوز پر نکل گئی۔ رباب کو یہ سب خواب لگ رہا تھا جیسے آنکھ کھلے گی تو وہی منظر ہو گا مگر بائی آمنہ رفعت چچی کے اترتے ہوئے چہرے سے باور کر رہا ہے تھے کہ یہ خواب نہیں حقیقت ہے۔



سلوٹا اور گلی دونوں آئی ہوئی تھیں۔ رباب کھانے کے بعد انہیں کمرے میں لے آئی۔

”وہی رباب حیرت کی بات ہے تم نے آج تک بیکٹین کی پہلی بیوی کے بارے میں نہیں پوچھا۔“ گلی بولی۔

”بھئی خیال ہی نہیں آیا۔“ وہ عورت سے مسکرائی حالانکہ یہ جھوٹ تھا وہ اس کی پہلی بیوی کے بارے میں سوچتی تھی کہ وہ کیسی تھی اسے کہاں ملی تھی اور کیا بات ہوئی تھی اس نے اپنی بیوی کو گل کیا تھا اس قتل والی بات کو سوچ کر وہ اکثر خونخوردہ ہو جاتی تھی اس کی ہمت ہی نہیں ہوتی تھی کہ وہ اس سے پوچھے۔

”میری مکی کی پھپھو کی بیٹی تھی نازاں، اس کے ساتھ بھائی جان کی شادی ہوئی تھی۔“ سلوٹا نے دھماکہ کیا۔ ”اور یہ ہے بیکٹین نے اسے بربکایا تھا وہ اس کے ساتھ گھر سے بھاگ گئی تھی۔ ہانسبرو میں دونوں کی شادی ہوئی تھی پھر اس شندل نے نازاں کو قتل کر دیا اور بچوں کو لے کر یہاں آگیا۔“ سلوٹا کی آنکھوں میں آنسو تھے۔

رباب کے دل میں زلزلہ برپا ہو گیا کیا واقعی یہ شخص اتنا شندل ہے اگر ایسی ہی بات ہے تو یہ کتنا بڑا داکار ہے کتنے روپ ہیں اس کے، سلوٹا نے نازاں کے رنگ و روپ کا نقشہ کھینچا تھا اس کی بتائی گئی تفصیل کے مطابق وہ بہت خوبصورت تھی پھر اس شخص نے اس..... معصوم سی لڑکی کو کیوں قتل کر دیا جس سے اس نے خود کو میرج کی تھی۔

”رباب یہ تمہاری ہمت ہے کہ تم اس کی بیوی بننے پر تیار ہو گئیں ہم نے شادی سے پہلے تمہاری نانیوں کو بیکٹین بھائی کی زندگی کے ایک ایک گوشے کے بارے میں بتا دیا تھا اس کے باوجود وہ تمہارے ساتھ ان کی ہمت پٹ شادی کرنے کے لیے تیار تھیں ان کا کہنا تھا کہ تم عیب دار ہو۔“

گئی نے ایک تیر جیسے اس کے پہلو میں اتار دیا اسے شادی سے پہلے یہ سوچنے کی مہلت ہی نہیں ملی تھی کہ وہ کون سا ہی دار ہے جس کے ساتھ اس کی شادی ہو رہی ہے وہ تو سمجھ رہی تھی کہ گئی اور سلوط بے خبر ہیں مگر یہاں تو سارے جہاں کو اس کے ناکر وہ گناہ کی خبر تھی اپنی دانت میں تائی نے اس پر احساسوں کا بوجھ لا دیا تھا۔ احتشام اور شاہ میر کے رشتے جب کل کے لیے گئے تو فوراً انکار کر دیا گیا اور سبکدوشی کا رشتہ فوراً ہی قبول کر لیا گیا تھا اس لیے کہ وہ قاتل تھا شقی القلب تھا شعل تھا وہ بچوں کا باپ تھا اس کی انجی "خویوں" کی وجہ سے اس کی شاندار پر سنائی سے قطع نظر ماں کر دی گئی تھی اگر مریشہ، عطیہ، افشاں یا مسمو کے لیے ایسا پر و پوزل آتا تو کیا اس پر کوئی سوچنے کی زحمت بھی گوارا کرتا کھٹ سے انکار کر دیا جاتا۔

اسے تاجپا پر بھی حیرت ہو رہی تھی وہ بیویوں کے برہکاوے میں آگئے تھے ایک قاتل کے ساتھ کس آسانی سے اسے ختمی کر دیا تھا کیا خبر وہ اسے بھی مادر تیسری شادی کر لیتا۔

"کیا سبکدوشی بھائی کو ظلم ہے۔" سلوط معنی خیز انداز میں بولی تو رباب نے موضوع بدل دیا۔

"آپ کی بھی کہاں ہوتی ہیں۔" اس نے پوچھا۔

"نہیں ہوتی ہیں اپنے پرانے گھر میں۔"

"انہوں نے بیٹے کی شادی میں شرکت کیوں نہیں کی۔" رباب نے پوچھا تو گئی نے کھٹ سے جواب دیا۔

"بیٹے کے کر تو توں کی وجہ سے، انہوں نے ان کی کزن کو باریادو کیسے شادی میں آئیں۔"

رباب کا دل چاہا پوچھے کہ پھر آپ نے یہ شادی کیوں کروائی تھی۔

اسے سوچوں کے حوالے کر کے وہ چلی گئیں رباب کو سبکدوشی سے بے حد خوف محسوس ہو رہا تھا وہ آیا تو وہ کمرے سے ہی نہیں نکلی رات اس نے زبردستی اسے پڑھانے کے لیے اٹھایا اس کا ذہن کتابوں کے بجائے نازاں اور سبکدوشی میں پھنسا ہوا تھا اور بلیو پرنٹ اور بلیو لائنوں والی شرٹ پہنے کسی بھی گرم کپڑے سے بے نیاز اسے پڑھا رہا تھا وہ اسے دیکھ رہی تھی مضبوط قدم و قامت کسرتی جسم متناسی تھا جس عمدہ ڈریسنگ مضبوط عہدہ کیا یہ شخص قاتل ہو سکتا ہے؟ اس نے اسے غور سے دیکھتے ہوئے سوچا پھر وہ نازاں کے خیالوں میں گمن ہو گئی نازاں جیسی حسین و نازک لڑکی یہ شخص اس پہ مکمل اختیار و دسترس رکھتا ہو گا ان کی جھٹوں کی گواہی بانی اور سلوک کی صورت میں تھی نازاں ان مضبوط بازوؤں میں موم بن کر سمٹ آتی ہوگی پھر پھر اس نے کیوں قتل کیا؟

وہ اسے غور سے دیکھ رہی تھی سبکدوشی کافی دیر سے اس کی یہ کیفیت ٹوٹ کر رہا تھا رباب کی نظریں سناٹائی انداز میں لگی ہوئی تھیں بلکہ ان میں ایک الجھن اور گہرائی تھی۔

"آج یقیناً آگیا کہ واقعی میں بہت ڈر ہو گیا اور چندم ہوں۔" سبکدوشی نے اس کی آنکھوں کے آگے ہاتھ لہرایا تو وہ حواسوں میں آگئی۔

"بس میں اب اور فلاں پڑھوں گی نیند آ رہی ہے۔"

وہ اسے غور سے دیکھ رہا تھا رباب کے ذہن میں شور مچا گیا "قاتل قاتل"

”میں سونے جا رہی ہوں۔“ اس کی حیران نظروں کے سامنے سے وہ اٹھ آئی۔

دوسرے روز سلوط اور گئی اسے مئی سے ملوانے لے گئیں وہیں اس پہ پہلی بار عقدہ کھٹاکہ یہ سبکدوش کی دوسری مئی ہیں۔

”خوب، تو تم وہ ہولڑی جو نازاں کی جگہ لینے آئی ہے۔“ انہوں نے سر سے لے کر پاؤں تک اسے گھورا۔ ”مت اس خوش فہمی میں

رہنا کہ اسے جیت لوگی۔“ سبکدوشی والا“ میں قدم رکھنے کے خواب دیکھنا چھوڑ دو جیسے نازاں چلی گئی ہے ویسے تم بھی چلی جاؤ گی۔ یوں اوپر۔“

وہ سر کوٹھی میں بول رہی تھیں۔

”آؤ میں تمہیں اس درندے کا کمرہ دکھاؤں جہاں وہ زبردستی اپنے سطلی جذبات کی تسکین کی خاطر اسے لے گیا تھا۔“ وہ زبردستی اسے

کھینچتی ہوئی ایک کمرے میں لے گئیں۔

”یہاں..... یہاں نازاں آتی اور وہاں وہ تھا۔“ وہ عجیب بے بے انداز میں بول رہی تھیں۔

”پھوپھو اور حسن میرا سب کچھ لوٹ کر لے گئے ہیں مگر دیکھنا میں ایک ایک پیسہ لوں گی، انصر کے مرنے کے بعد انہوں نے میرے اوپر

بہت ظلم کیا ہے۔ دیکھو حسن مجھے روز انجکشن لگاتا تھا کہتا تھا کہ میں پاگل ہوں تم بتاؤ میں کوئی پاگل ہوں۔“ وہ اسے جھوٹے لہجے میں رباب مارے خوف

کے قہر اتنی سلوط نے اسے چمڑا دیا وہ پھر اس کے قریب آ گئیں۔

”تم بہت نیاری ہو بہت نازک ہو وہ تمہیں گھاموٹ کے مارے گا۔“ انہوں نے اشارے سے اسے بتایا۔

رباب کا جی چاہا یہاں سے بھاگ نکلے عجیب وحشت ناک سنا تھا اس گھر میں، رباب نے غور کیا تو معلوم ہوا کہ گھر تو بہت شاندار ہے

مگر فرنیچر برائے نام ہے اور جو ہے وہ بھی سیٹھ بند ہے۔

”دیکھا سبکدوش کی اس حرکت نے ان کا کیا حال کر دیا ہے، ڈاکٹر ز کہتے ہیں کہ یہ نفسیاتی مریضہ ہیں۔“ سلوط نفرت سے بول رہی تھیں۔

جب رباب واپس آئی تو دیکھا کہ سبکدوش کی گاڑی پورچ میں کھڑی ہے اسے بہت خوف محسوس ہوا بانی اسے تو اسے کوئی خطرہ نہیں تھا مگر

سلوق بھانڈا پھوڑ سکتا تھا وہ ابھی سوچ رہی تھی کہ اگر اس نے پوچھا کہاں گئی تھیں تو کیا جواب دینا ہے وہ اوپر سے اترتا نظر آیا۔

”سلوط اور گئی کی طرف گئی تھیں۔“ اس نے پوچھا تو رباب نے اثبات میں سر ہلایا منوں بوجھ اس کے سر سے اتر گیا تھا۔

☆☆☆

وہ صبح سے بانی اور سلوق کو لے کر کہیں گیا ہوا تھا جب وہ رات آئے بجے کے قریب گھر میں داخل ہوا تو اکیلا تھا رباب کا خیال تھا کہ وہ گئی یا

سلوط کی طرف ہوں گے اس نے فون کر کے پوچھا تو انہوں نے کہا یہاں تو وہ صبح سے نہیں آئے ہیں۔ دو واش روم میں تھا رباب بے چینی سے کمرے

میں چکر کات رہی تھی۔

”بانی اور سلوق کہاں ہیں؟“ بے قراری اس کے لہجے سے عیاں تھی۔

”جہاں انہیں ہونا چاہئے تھا وہیں ہیں۔“ وہ اطمینان سے بالوں میں برش کر رہا تھا۔

”بتائیں آپ انہیں کہاں چھوڑ آئے ہیں۔“ اسے گڑبڑ کا احساس ہوا۔  
 ”بتایا تو ہے وہ منحوس جگہ پر ہیں۔“ اس کے اطمینان میں فرق نہیں آیا تھا۔  
 ”کہیں..... کہیں آپ نے انہیں مار تو نہیں دیا ہے“ اس کی آواز ڈوب رہی تھی۔  
 ”ہاں۔“

اس ہاں نے رباب کے اندر سوئی ضدی، خود سراور بہادری رباب کو بیدار کر دیا جو جنگ کی پروا کئے بغیر مخالف سے لڑ جاتی تھی اسے یہ بھی بھول گیا کہ اس کے سامنے قتل کھڑا ہے اس نے اچانک ہی ہتھیاریں کا گرہ بنی تمام لیا تھا۔

”خالم انسان اپنے نام کا ہی مجرم رکھ لیا ہوتا، وہ تو ہرنی کی آنکھ میں آنسو برداشت نہیں کر سکا تھا اور تم کیسے باپ ہو اپنے بچوں کو ہی مار دیا، پہلے بیوی کو مارا اب بچوں کو مار دیا، میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑ دوں گی۔“ وہ یکدم بھری ہوئی شیرنی بین کی تھی ہتھیاریں کو اس نے نوج ڈالا شرٹ چھاڑ دی۔ نازک باتوں سے پوری قوت سے کام لیتے ہوئے اسے کے مارے ہتھیار نے اس کا ہاتھ اچانک روک لیا۔

”بس حساب پورا ہو گیا ہے، چاہے تم اس طرح مجھ پر کتنوں قوت صرف کرتی رہو میرا کچھ نہیں بگاڑ سکو گی مت سمجھنا کہ بہت طاقتور ہوا کر میں خاموش رہا ہوں تو ان لیے میں کسی پر حق ظلم روا رکھنے کا قائل نہیں ہوں، تمہارے میں میں نے تمہیں بیدار مارے تھے وہ حساب اب تم نے پورا کر لیا ہے اس کے بعد اگر تمہارا دے جو اس ٹھکانے نہیں آئے تو مجھے داغ درست کرنا اچھی طرح آتا ہے میری نرمی کا اس طرح قائد و مت اٹھاؤ۔“

وہ دھارز اتور رباب کا دل جیسے رک سا گیا اسے اپنی موت بہت قریب نظر آنے لگی تھی نازاں کی طرح وہ بھی ابھی بے جان ہو جائے گی۔ شاید یہ جیک ہارپر کی طرح کرائم بشری میں نام پیدا کرنا چاہتا ہے تب تک کر چکا ہے چھٹا میرا ہو گا بائے میری کل اپنی اب مجھے کبھی بھی نہیں دیکھ سکیں گی۔ احتشام بھائی میری صورت کو ترس جائیں گے، کئی رقیہ، چچی آمنہ اور رفعت چچی کتنی خوش ہوں گی سلوٹا اور کئی کو علم ہی نہیں ہو گا کہ میں مرنے والی ہوں بانی اور سلوک تو مجھ سے مل کر بھی نہیں گئے کاش آخری بار انہیں سینے سے لگا کر ڈیر سارا پیار کر لیتی اتنا دکھ تو نہ ہوتا کون روئے گا میرے لیے صرف کل اور احتشام بھائی۔

یہ شخص مجھے یقیناً اذیت دے کر مارے گا وہ لیڈی پولیس بھی تو کبہ رہی تھی کہ ڈی ایس پی کو خود بصورت لڑکیوں پر رحم نہیں آتا۔“  
 وہ دروازہ کھول رہا تھا رباب کے دل نے ایک اور بیٹ مںس کر دی۔

”ابھی اس میں سے کوئی رپوٹور یا شاید کوئی چھرا لٹالے گا زہر بھی تو ہو سکتا ہے سنا ہے کہ ”سنا سنا“ بہت سریع الاثر زہر ہوتا ہے اگر انسان نیچے ہاتھ پکڑے تو ناناخنوں کے اندر کھس کر انسان کو مار دیتا ہے۔ میرے لیے تو ایک قطرہ ہی کافی ہو گا۔ کتنی تھوڑی عمر تھی میری وہ بھی غموں سے بھری۔“  
 وہ اس کی طرف پلٹ رہا تھا ہوش و خرد سے بیگانہ ہوتی نیچے گری تھی۔

”مسماۃ نازاں ہاں تو آپ کو بیکٹین اظفر سے نکاح قبول ہے۔“ مولوی صاحب اس سے پوچھ رہے تھے۔ اس نے پہلی بار ہی اثبات میں سر ہلادیا اس کے لیے بیکٹین کا نام ہی کافی تھا نازاں فتح کا مرانی کے نئے میں اس قدر چرتقی کا اظفر کو انہر بھی۔

”تھیک یو نازاں ہاں تو تم نے میری بہت بڑی مشکل آسان کر دی ہے۔“ مولوی صاحب کمرے سے نکلے تو بیکٹین اس کے بستر کے پاس آکر بولا وہ کچھ نہیں سمجھی بیکٹین نے دروازے کی طرف منہ کر کے کسی کو آواز دی۔

”آ جاؤ دین صابہ انتظار کر رہی ہیں۔“ نازاں بھی اس کے دوست کی بیگم ہوگی وہ سر جھکا کر بیٹھ گئی۔

”یہ لو اپنی دین، بیکٹین بس خیال رکھنا بیچاری تھوڑی پائل ہے۔“ نازاں نے ساری مصنوعی شرم و حیا بالائے طاق رکھتے ہوئے سر اٹھایا بیکٹین کمرے سے جا رہا تھا اس کی جگہ سرخ سرخ آنکھوں والا ایک شخص کھڑا تھا۔

”کون ہو تم، کیوں آئے ہو میرے کمرے میں، بیکٹین کہاں ہے؟“ وہ کھڑی ہو گئی تھی۔

”میں ہی بیکٹین ہوں میرے ساتھ تمہاری شادی ہوئی ہے۔“ اس کی سرخ سرخ وحشت ناک آنکھوں کے برعکس لہجہ خاصا ملائم تھا۔

”تم جھوٹ ہو فراڈ ہو۔“ میری شادی بیکٹین کے ساتھ ہوئی تھی“ وہ بے قابو ہو رہی تھی۔

”بے چاری لڑکی بیکٹین بتا رہا تھا کہ اس کا دامغ یونہی الٹ جاتا ہے خیر۔“ وہ اسے دیکھتے ہوئے سوچ رہا تھا نازاں اسے آگے بڑھتے دیکھ کر خلعت خورد و انداز میں ڈھسے مٹی تھی اسے یہ حقیقت سمجھنے میں دیر نہیں لگی تھی کہ بیکٹین نے اس سے اس کی مکاری اور جھوٹ کا بدلہ لے لیا ہے۔

دوسرے دن بیکٹین انہر چہرے پر قاتحانہ مسکراہٹ بچائے اسے مبارکباد دینے آیا تنہائی پاتے ہی وہ آہستگی سے بولا۔

”بیکٹین سے اس سارے قصے کا ذکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے اس شادی کو کچھ تو کسی طرح بھی اگر چاہو تو مٹی کو اطلاع دے سکتی ہو ہاں

یہ مت سمجھنا کہ اس بار میں حسن سے مار کھاؤں گا تمہاری مکاری کا اس سے بہتر جواب میرے پاس نہیں تھا۔“ پھر اس کے آنے پر وہ خاموش ہو گیا۔

بیکٹین اظفر چوری کے جھوٹے الزام میں اس کے پاس لایا گیا تھا اس کے والدین حیات نہیں تھے وہ بے چارہ اپنا دفاع بھی کرنے کے قابل نہیں تھا بیکٹین جان گیا کہ یہ بے قصور ہے اس کی کوششوں کے باعث بیکٹین اظفر کی جان بخشی ہوگی بعد میں اسی نے بیکٹین کو نوکری دلائی وہ کرائے کے مکان میں رہ رہا تھا بیکٹین نے محضانہ مشورہ دیا کہ شادی کر لو وہ جب خود پیا کے چالیسویں پر گیا تو نازاں کو دیکھ کر ایک خیال بجلی کے کوندے کی طرح ذہن میں لپکا اس نے تمام منصوبہ تیار کر لیا اپنی توہین کے احساس سے اب بھی اس کا رواں رواں بھڑک اٹھتا تھا نازاں کو سزا ملنی چاہیے تھی۔ بیکٹین نے بیکٹین اظفر کو بتایا کہ لاہور میں میری مٹی کی کزن ہے وہ مافی طور پر کمزور ہے اسی وجہ سے کہیں اس کا رشتہ بھی نہیں ہو رہا ہے مگر والے لنگ اس سے بیزار ہیں بیکٹین اس کی باقی بات سمجھ گیا اس کا احسان اتارنے کی خاطر وہ نازاں سے شادی کے لیے تیار ہو گیا۔

نازاں نے دل سے اس بندھن کو قبول نہیں کیا تھا ہر وقت اس سے لڑتی جھڑتی رہتی ایسے میں بیکٹین اس کے پاس مشورے کے لیے چلا جاتا۔ نازاں اور بیکٹین کی شادی کے اڑھائی سال بعد سلجوق پیدا ہوا دو سال بعد بانی آ گیا سلجوق اس سے مانوس تھا انکل کہتے کہتے اس کی زبان نہیں تھکتی تھی کبھی کبھی بے دھیانی میں اس کے منہ سے پچا انکل نکل جاتا آہستہ آہستہ اس کا یہ نام پختہ ہو گیا بیکٹین خوب ہنستا پھر اس روز وہ صبح واقعہ پیش



تمہارے مکی پناہ گاہ کے لیے بہت ساری چیزیں لینے گئے ہوئے ہیں وہ بھل گیا تھا اس کا اسے پتا انگل کہنا سلسلہ اور مکی کو یقین دلا گیا تھا کہ وہی ان کا باپ ہے۔

وہ جانتا تھا اس نے میں آیا تھا جب رہا باب اس تینوں لڑکیوں سمیت اس کے پاس لائی گئی تھی وہ سب اسے ہی قصور وار ٹھہرا رہے تھے سبکدوشی کے اندر ایک اذیت پسند آفیسر چھپا بیٹھا تھا جو بے اختیار اسے مار بیٹھا تھا لیکن گھبرا کر وہ پشیمان ہوا تھا لڑکی محصور لگ رہی تھی پھر دوسرے روز باہر کے کوریڈور میں اسے لہو لہان دیکھ کر سبکدوشی کو غصہ آیا تھا اور حیرانی ہوئی تھی۔

سلسلہ اور مکی نے بتایا کہ اس کی دوتے والی دو بہن بہت محصور اور خوب صورت ہے وہ سب کچھ بھلا کر آنے والے خوبصورت دلوں میں کھو گیا دل میں ننھے ننھے بھول کھلنے لگے تھے ایک زندہ جیتے جاگتے وجود پر ملکیت کا احساس نشہ بن کر رگ رگ میں دوڑنے لگا وہ بھی اکیلے چلتے چلتے تھک گیا تھا مہربان زلفوں کا سایہ چاہتا تھا وہ آنے والی اس کے سارے کانٹے اپنے مہربان ہاتھوں سے کاٹتی اور وہ اپنی وقائیں اپنے وجود کی تمام تر محبتیں اس کے نام لکھ دیتا سلسلہ اور مکی نے اس ان دیکھی لڑکی کی تعریف کر کے اسے سراپا انتظار بنادیا تھا۔

اور پھر شب زفاف رہا باب کو اپنے کمرے میں دیکھ کر اسے جھٹکا لگا تھا وہ توقع ہی نہیں کر پا رہا تھا کہ وہ اس کی دلہن ہو سکتی ہے اس نے کتنے شوق سے گھر سجایا تھا پھول اس کی رانوں میں بچھائے تھے نرم نرم کونسل سے جذبول پر اس آگری تھی پھر دوسرے روز اس کی بہن نے اس کی عادات کے بارے میں اور اپنے حالات کے بارے میں بتایا۔ وہ دیکھ رہا تھا کہ رہا باب اپنے دلہن پے کی پردا کئے بغیر کس طرح بھاگ کر بچن میں گئی تھی اس کا قیمتی سوٹ سیریلک گرگنے سے داغدار ہو گیا تھا مگر اسے پروا نہیں تھی پھر اس نے کتنی جلدی بانی اور سلسلہ سمیت اس کے پورے گھر کو سنبھال لیا تھا۔

پھر ایک روز ایک فائل ڈھونڈتے ہوئے وہ میڈیکل رپورٹس اس کے ہاتھ لگیں جو تھانے سے وہ گھر لے آیا تھا یہ افشاں خاں..... اور رہا باب کی میڈیکل رپورٹس تھیں جو جیل کے ہسپتال میں لیڈی ڈاکٹر نے ان کے جسمانی معائنے کے بعد مرتب کی تھیں ان تمام رپورٹس میں رہا باب اسد کمال کی رپورٹ کلیر تھی یہ میڈیکل رپورٹ اس کی بے گناہی ثابت کر رہی تھی۔

سبکدوشی اس روز ہلکا پھلکا ہو گیا (اب) قلموں والی بات کلیر کرنی تھی وہ بہت ذہین پولیس آفیسر تھا سچ جاننے کے لیے اس نے رات کی تنہائی کا انتخاب کیا تھا اسے اپنی مردانہ وجاہت و کشش کا خوب اندازہ تھا رہا باب اس کی قربت سے جس طرح ہلکا لائی اور چھوٹی موٹی بنی تھی میڈیکل رپورٹ اس سے اور بھی بچی ہوئی تھی اگر وہ گوہر آبادار سے محروم ہوتی تو اس کی قربت سے یوں ہرگز خوف نہ کھاتی جن لڑکیوں کا ڈرایک مرتبہ دور ہو چکا ہوتا کم از کم وہ رہا باب کی طرح بے ہوش نہیں کر پاتی ہوں گی۔

وہ زمانہ شناس پولیس آفیسر تھا جان گیا کہ رہا باب ابھی تک کلی ہے پھر جس طرح وہی آ آ کر آنے پہ وہ کمرے سے بھاگی تھی اس کی بلند کردار چٹکی کے لیے یہی بات کافی تھی یقیناً وہ ایک باحیا اور عفت ماب لڑکی تھی جس سے بھی اس دور ان اس کی ایک دو ملاقاتیں ہوئیں اس کی حالات جان کر اس کا دل دکھ سے بھر گیا تھا۔ سبکدوشی نے چپ چاپ وہ رپورٹس لے جا کر آئندہ اور رخصت کے آگے رکھ دی تھیں جن میں ان کی لاڈلیوں کے کارنامے درج تھے ان کی ساری اکثر اور غور و ختم ہو گیا تھا۔ کل دھوم دھام سے رخصت ہوئی۔ سبکدوشی کے دل میں رہا باب کے حوالے سے خوبصورت



جذبہ پنپ رہے تھے جو بانی اور سلخو جیسے نئے رقیبوں کی نذر ہو رہے تھے اسے رہا ب کی یہ توجہ بالکل نہیں بھارتی تھی وہ جب بھی حال دل ظاہر کرنے کا ارادہ کرتے وہ اپنے رات و دن اسے ہانی کو لے کر کھڑی ہو جاتی سبکدوشی نے کل کو بانی اور سلخو کے والدین کی حقیقت بتا دی تھی جسے اپنی شادی کی تیاریوں میں کھو کر رہا ب کو بتانی یا دعی نہیں رہی۔

خدا خدا کر کے نازاں کو ہوش آگیا اور سبکدوشی اس کے بیان کے بعد رہا ہو گیا ہوش میں آنے کے بعد وہ بالکل بدل گئی تھی بانی اور سلخو کے لیے وہ بہت بے قرار تھی جب اسے بتایا کہ صرف بانی اور سلخو کے لیے سبکدوشی نے شادی کی ہے تو پہلی بار وہ اس کی منمن ہوئی۔ سبکدوشی خود انہیں چھوڑ کر آیا وہ دونوں بہت ادا تھے بانی تو اس کے پاس جاعی نہیں رہا تھا سلخو اس سے ناراض تھا کہ اس نے دولہن آپنی کو خدا حافظ بھی نہیں کہنے دیا تھا نازاں نے اسے کہا تھا کہ ہم بہت جلد تمہاری دولہن آپنی کا شکر یہ ادا کرنے جائیں گے۔ اور جب وہ لوٹا تھا تو رہا ب نے ایک نیا فتنہ کھڑا کر دیا وہ اسے قاتل کہہ رہی تھی پہلے اسے ہنسی اور پھر غصہ آیا وہ کیسے سب کچھ بھلائے اس سے اچھے پڑی تھی۔

☆ ☆ ☆

”او بانی گاڈ اسے کیا ہو گیا ہے۔“ وہ نیچے پڑی رہا ب کی طرف پلکا دوڑے ہوش ہو چکی تھی۔

”اے رہا ب۔“ سبکدوشی نے اس کے رخسار پر چھپٹائے آوازیں دیں وہ ہنوز اسی طرح پڑی رہی۔ وہ پریشان پریشان اس کے پاس بیٹھا رہا شاید اس کے سخت لہجے نے اسے ہرٹ کیا تھا اس کی بغض بول کی حزن کن تقریباً نازل تھی۔

رہا ب کی آنکھ وقت پر کھلی تھی یہ ہی دو وقت ہوتا تھا جب وہ اٹھ کر بانی کے لیے فیڈ ر تیار کرتی تھی اس کے لاشعور کے اندر شاید یہ احساس جاگزیں تھا تبھی اس کا ذہن بیدار ہوا تھا سب سے پہلا جو خیال اس کے ذہن میں آیا وہ یہی تھا کہ مرنے کے بعد وہ جنت میں ہے مگننا ہٹ کی آواز واضح تھی نامانوس ہی آوازیں بھی آ رہی تھیں شاید جنت میں کوئی کارہا ہے مگر جنت میں تو خوش الحان طاغیروں کے چہچہانے کا ذکر ہے یہ کوئی انسانی آواز تھی اس نے حواسوں کو حاضر کیا۔

سبھی سبھی ہوئی ٹکا ہوں میں نئی امیدیں میں چکا دوں گا  
 سونی سونی سی ان راہوں میں پھول سی پھول میں کھلا دوں گا  
 ان مجبھی ہوئی بہاروں میں تم میرے ساتھ مسکراؤ گی!  
 اس قدر پیار میں کروں گا تمہیں تم ہر اک بات بھول جاؤ گی  
 یہ تو اس کے قاتل کی آواز تھی اس نے دھیرے سے آنکھیں کھولیں آف وہ ابھی اسی دنیا میں تھی دروازہ کھول کر وہ اندر آ رہا تھا اس نے پھر آنکھیں بند کر لیں۔

اشو میری زندگی صبح ہو گئی ہے  
 جلدی سے آنکھیں کھولو جا کے منہ دھو لو

سبکدوش نے چچا کے سر پر بجا یادہ بانی اور سلجوق کو اس طرح شکلاتے ہوئے جگایا کرتی تھی اور گود میں لے جا کر چیز پر بھاتی تھی اس کا یہ سادہ و کوشہ انداز سبکدوش کو بے اختیار ہی سلجوق و بانی کی یاد دلایا تھا اس نے لاشعوری طور پر اسے اس کے ہی اسٹائل میں جگایا تھا اب سونے کی اداکاری کرنا فضول تھی وہ انٹھ بیٹھی سینئر ٹیبل پناشتے کی ٹرے دھری ہوئی تھی اور وہ خود اس کے بیڈ پر تھی وہ تیر کی طرح نیچے آئی تھی۔

بائیں دورات بھر اس کے کمرے میں موتی ریحی تھی ایک قاتل کے کمرے میں۔ اب اسے یاد آگیا تھا کہ وہ بے ہوش ہو کر گری تھی۔  
 ”رہا باب اسد کمال خادمہ ناشتہ تیار کر کے لایا ہے ذرا کھا کر بتائیں کیا ہے“

وہ کہیں سے بھی تھانے والا سنجیدہ و بار صب ڈی ایس پی نہیں لگ رہا تھا وہ نہا کر رات والے پکڑوں میں ہی ملبوس تھا بال ماتھے پر بکھرے ہوئے تھے تو لیہ ہنوز گلے میں موجود تھا وہ لاابالی سائنس ڈنٹ لگ رہا تھا جو ماں بہنوں کی غیر موجودگی میں خود ہی ناشتہ بنانے کی کوششوں میں لگا ہوا تھا اسے اور بھی کام سرانجام دینے ہوں شرٹ کی آستینیں کہیں تک چڑھی ہوئی تھیں اوپری گلے کے بٹن بھی کھلے ہوئے تھے بے چارے کو بٹن بند کرنے کی بھی فرصت نہیں تھی اس لا پر واسطے میں بھی وہ پڑا کھل لگ رہا تھا۔ وہ انٹھ کر باہر چلی گئی جب وہ کافی دیر تک نہیں آئی تو سبکدوش نے آواز لگائی وہ انٹھ کر خود ہی آگیا رہا باب سینئر جیول پر بیٹھی ہوئی تھی۔

”شیرنی صاحبہ آئیے ڈرنے کی کوئی بات نہیں ہے الٹا آپ سے ڈرنا چاہیے نہ جانے کب آپ بہادری کے مظاہرے پر اتر آئیں۔“ وہ ہلکے پھلکے لہجے میں بولا اور اس کا ہاتھ پکڑ کر اندر لے آیا۔

رہا باب نے صرف چائے پی اور ہلکے ہلکے لینے لگی ٹھمن لگے تو اس کو اس نے ہاتھ بھی نہیں دکھایا اسے بار بار بانی اور سلجوق یاد آ رہے تھے آنکھوں میں ان کی صورتیں گھوم رہی تھیں اسے کچھ بھی اچھا نہیں لگ رہا تھا یہاں تک کہ سامنے بیٹھا یہ شخص بھی۔

”یار ابھی تک تمہارا غصہ نہیں اترتا اور طاقت آزمائی کر لو قسم لے لو مجھ سے جو تمہارا ہاتھ روکا ہو“ سبکدوش نے زمرے پر سے سر کاوی۔  
 ”تو کیاں خواہنا وہ اپنی مظلومیت اور کمزوری کا ڈھنڈورا پیٹتی ہیں کہ جی ہم کمزور ہیں مرد کا مقابلہ نہیں کر سکتیں حالانکہ قدرت نے ان میں مقابلہ کرنے کے لیے مفت کے ہتھیار خون کی صورت میں سوپنے میں جو تیر و تھوار سے زیادہ مؤثر ہیں تم بھی ان سے کل کی طرح کام لے سکتی ہو۔“ وہ واقعی بہت سنجیدہ لگ رہا تھا رہا باب کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو گرنے لگے۔

”بانی اور سلجوق کہاں ہیں۔“ وہ درد بھرے لہجے میں بولی۔

”یہ بانی اور سلجوق کے علاوہ ہم کسی اور ایٹھوپہ بات نہیں کر سکتی بتایا تو ہے وہ اپنوں میں ہیں۔“ وہ ناراضگی سے بولا۔

”آپ سے پڑھ کر ان کے لیے کون اپنا دوگا۔“ رہا باب کو اس کی بات کا یقین نہیں آیا تھا۔

”مجھے بس ایک بار ان سے ملو ادیں۔“ وہ بے اختیار تھی لہجے میں کہتے ہوئے اس کے ہاتھ تمام گئی تھی۔

”تمہیک ہے ملو ادوں گا۔“ وہ بدعز ہو گیا۔ یہ بانی اور سلجوق او جمل ہونے کے بعد بھی پیچھا نہیں چھوڑ رہے تھے۔

”خدا اس اور سبکدوش جلدی آؤ مجھے اس بحران سے نکالو۔“ اس نے دعا یہ انداز میں ہاتھ اٹھائے رہا باب کچھ نہیں سمجھی۔

پھر نازاں اور ہیکٹین! مجھے بعد ہانی و سلجوق کے رباب تو جہاں تھی وہیں کھڑی کی کھڑی روگنی تھی۔

”مئی یہی دو بہن آہی ہیں میں اور بانی رات ان کے پاس سوتے تھے یہ بانی کا فیڈر بھی بنتی تھیں۔“ سلہوق اس پیاری سی درمیان عمر کی عورت کو لیے آگے بڑھا رہا اب سلہوق سے لپٹ گئی تھی نازاں اور سبکدین اس کی حدود و محبت سے بہت متاثر ہوئے آج نازاں کو پہلی بار اپنی ناپلیوں کا احساس ہوا تھا اس نے محبت سے رہا کو پلپایا تھا سبکدین مظفر بھی بڑی اپنائیت سے ملے بانی تو بہک کر اس کی گود میں آیا تھا جس سے وہ بے پنا خوش ہوئی۔

”سبکدین تم ایک مکمل مرد ہو تمہیں رہا باب جیسی مکمل لڑکی ہی ملنی چاہیے تھی۔“ نازاں کی آنکھوں میں ہچکچاہٹ سے کادکھنی بن کر جھلک آیا تھا۔

سلوٹا اور مکی بھی بھائی کے بلاوے پر آگئی تھیں نازاں کو زخمیہ سلامت دیکھ کر وہ اپنے خیالات پر بے پناہ شرمندہ ہوئیں نازاں اپنی مکی کا پوچھ رہی تھی ان کی خود غرضی اور طوطا چٹشی پاسے دکھ: وہ اتفاقاً وہ سب کچھ سمیٹ کر حسن کے پاس ہی چلی گئی تھیں ان دونوں ماں بیٹے نے ایک بار بھی تو اسے دھوئے نہ کی کوشش نہیں کی تھی بلکہ شکر کیا تھا کہ اس نے لڑکا چھانسی کر انہیں جہیز دینے کی ذمہ داری سے بچا لیا تھا۔ نازاں غمزدہ کے پاس بھی گئی وہ اٹھا اٹھا کر اس پر چڑیں پھینکنے لگیں سبکدین اختر کو نازاں کے ماضی کے بارے میں علم نہیں تھا اور اس کا علم رہتا ہی بہتر تھا۔ نازاں کو پہلی بار شوہر کی بدائی اور قاذوں کا احساس ہوا وہ اسے اور بچوں کو آرام و سہولیات دینے کی خاطر مہربانہ دھت کرتا تھا مگر اسے احساس ہی نہیں تھا یہاں آکر اس کی آنکھیں کھل گئی تھیں سبکدین کہتا اچھا تھا اس کے گھٹیا پن کے بارے میں کسی کو بھی کچھ نہیں بتایا تھا ہاں یہ الگ بات تھی کہ بعد میں سب اس بات سے واقف ہو گئے تھے۔ رباب نے کھانے پر اچھا خاصا اہتمام کر ڈالا تھا وہ تین روزان کے گھر رہے بلوچ نے وعدہ کیا تھا کہ ملے آتا رہے گا بانی کو چھوڑنے کا رباب کا دل ہی نہیں چاہا وہ ہاتھ پر ایسا کرتا تو تھا ہی وہ اس کے ماں باپ تھے ان سے الگ کہاں رہا جاسکتا تھا۔

رہا اب اکیلی بیٹی سوچوں میں کھوئی ہوئی تھی کیسے کیسے انکشافات ہوئے تھے سنگین کی ذات جو پہل بنی ہوئی تھی آج کھل کر سامنے آئی تھی اپنی کم مائیگی کا احساس شدید تر ہو گیا تھا وہ سرکلین تھا مگر رہا اب کے ہاتھ ہرگز صاف نہیں تھے اس کی ذات خود اس کی اپنی نظر میں شکوک و شبہات کا شکار ہو رہی تھی وہ پہلا کیا تھی؟ اس سے ابھی تو کھل آئی رہی تھیں جنہیں ایک چاہنے والا مل گیا تھا۔

اے لگتا تھا کہ بیکٹین کی ٹک میں کوئی پیغام دینا چاہتی ہیں اس نے مکمل کراٹھا نہیں کیا تھا ڈھکے چھپے معنی خیز انداز میں اشارہ دے دیا تھا۔  
 ”اوہو کیا سوچا جا رہا ہے۔“ بیکٹین اندر آ گیا تھا۔

”اوہو کیا سوچا جا رہا ہے۔“ سبکیں اندر آ گیا تھا۔

”کچھ نہیں“ وہ ہاتھ کی لکیروں میں کچھ تلاش کر رہی تھی۔

”یقیناً تم میری ذات کے بارے میں سوچ رہی ہو چلو آؤ تمہیں آج اپنے بارے میں بتا دیے ہیں۔“ وہ غور کشن حسیٹ کر اس کے قریب بیٹھ گیا۔ ”اٹھائیس سال پہلے انھر گیلانی کے گھر میں، میں نے جنم لیا چار سال کا تھا جب ممانوت ہو گئیں پاپنے بہت جلد دوسری شادی کر لی تھی ماما اور میں دونوں ہی ایک دوسرے کو پسند نہیں آئے ہمارے درمیان ہمیشہ ایک سردی کیفیت رہی پھر سلطو اور لگی پیدا ہوئیں میں یہ سمجھتا تھا کہ ان کی وجہ سے ہوا میرے اوپر توجہ نہیں دیتے اس لیے ان کی خوب پٹائی کرتا فرزامی منہ سے تو کچھ نہ کہتیں مگر دل میں ذہر پالتی رہیں جو ڈائریکٹ سلطو اور لگی میں متعلک ہو گیا، جوں جوں میں بڑا ہوتا گیا اپنی حرکتوں پہ مجھے شرمندگی ہونے لگی میں سلطو اور لگی سے بولنا اور کھیلتا چاہتا تھا مگر می انہیں روک دیتیں۔

مکی کی کزن نازاں بھی ہماری گھر میں رہتی تھی مجھ سے تین برس بڑی تھی مجھے علم ہی نہیں ہوا کہ میرے بارے میں اس کے خیالات بدل گئے ہیں جب علم ہوا بہت دیر ہو چکی تھی وہ خود رات میرے بیڈروم میں چلی آئی اور میرے انکار پر چیخا شروع کر دیا اپنے کپڑے پھاڑ ڈالے گھر والوں نے انتہائی قابل اعتراض طے میں مجھے اس کے ساتھ پکڑا پہلے نازاں کے بھائی حسن نے مجھے مارا پھر بیٹا نے، یقین کرو کہ مجھے مار کا انسوس نہیں تھا..... انسوس تھا..... تو اس الزام کا تھا جو میرے اوپر لگایا گیا تھا میں کسی لڑکی کو تو کچھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھتا تھا حالانکہ منفذ ذر کے نے مجھے بہت جلد احساس دلانا شروع کر دیا کہ میں بہت خاص ہوں، پیا جب مارتے مارتے تھک گئے تو کہا کہ اسے اٹھا کر کوڑے کے ڈرام میں پھینک آؤ۔“

سبکدوش میں اپنی کر رک گیا اندرونی خلفشار سے اس کی رگیں تن گئی تھیں رباب دم بخود سن رہی تھی

”پھر ہمارے نوکر کا بیٹا مجھے خیراتی ہاسٹل لے گیا میں ٹھیک ہوتے ہی وہاں سے بھاگ گیا محرومی کی اور پھر کراچی چلا آیا جہاں غفور چاچا کا ہوٹل تھا میں نے ڈش واشنگ کی، دیر بڑا وہ جان گئے کہ میں وہ نہیں ہوں جو بیٹا ہوا ہوں ان سے بات کرنے کے بعد میں اپنے ڈاکو منٹس لینے لاہور آیا وہ پھر مجھے اپنے گھر لے گئے ان کی ایک بیٹی تھی رابعہ فرسٹ ایئر میں پڑھتی تھی بہت خوبصورت اور خوب سیرت لڑکی تھی۔“

سبکدوش نے دیکھا رباب بہت غور سے سن رہی ہے۔

”میں رابعہ سے اور وہ مجھ سے محبت کرنے لگی جب میں ہی ایس ایس کرنے کے بعد ٹریننگ کے لیے وہاں چلا آیا تو ہم نے وعدہ کیا کہ ایک دوسرے کو کبھی نہیں بھولیں گے میں اس سے شادی کا وعدہ کر کے آیا تھا۔“ رباب کے چہرے پر تاریک ساسایا لہرایا سبکدوش نے خود کو شاباش دی رباب بڑی گہری لڑکی تھی اپنے بارے میں اس کے خیالات وہ جان ہی نہیں۔ کتا تھا جان بوجھ کر رابعہ کے بارے میں جھوٹ بولا تھا کہ دیکھے تو سبھی اس کا ری ایکشن کیا ہوتا ہے اس کا یہ وار کا مہاب رہا تھا پھر وہ نازاں کے بارے میں بتانے لگا۔ اس کے ساتھ اپنی شادی کے سلسلے کا بتایا اپنی پسندیدگی تعداد گول کر گیا۔

”رابعہ کسی تھی۔“ جب وہ خاموش ہوا تو رباب نے پوچھا۔

”بہت حسین تھی یہ گفتگو سے نیچے بال بکلی کر نفاذی آنکھیں میدے سی رحمت متوازن ناک وہ شبہم تھی چاندنی تھی خوشبو تھی بہار تھی۔“ وہ آنکھیں بند کئے جذب سے بولا رباب کے اندر کسی نے جیسے توڑ پھوڑی مچادی۔

”آپ نے اس کے ساتھ شادی کا وعدہ کیا تھا اس کا کیا ہوا۔“ وہ کمال ضبط سے کام لیتے ہوئے مسکرائی۔

”ہاں شادی کا وعدہ کیا تھا اس نے میری شادی کا سن کر خودکشی کرنے کی کوشش کی تھی خواب آور گولیاں کھالی تھیں بڑی مشکل سے جان بچ سکی اس کی اور میرا نہ پوچھو بہت برا حال تھا۔ اسے اسٹریچر پر پڑے دیکھ کر میرا جی چاہا کہ میں بھی اس کے ساتھ مر جاؤں اس کے بغیر میرے لیے زندگی بے معنی تھی بے رنگ تھی اس نے مجھے جینا سکھایا تھا غفور چچا کے میرے اوپر بہت احسانات تھے بلکہ جن میں ان کا بدلہ اتارنے کی سوچ رہا ہوں۔“ اس نے کن آنکھیں سے رباب کے دھواں دھواں ہوتے چہرے کو دیکھا۔

”آپ جب اسے اتنا چاہتے ہیں تو پھر اس کے ساتھ ہی شادی کر لی ہوتی۔“ وہ تڑپ کر بولی۔

”میں مجبور ہو گیا تھا۔“ وہ غضب کی اداکاری کر رہا تھا۔

”ہونہ مجبور اور مرد..... مجبور تو عورتیں ہوتی ہے۔“ سختی سے بول۔

”میں مجبور تھا یقین کر دہانی اور سلجوق کو شاید وہ میرے اور اپنے درمیان پسند نہ کرتی میں خود بھی ان دونوں کی وقتی ذمہ داری اس کے اوپر ڈالنا نہیں چاہتا تھا کیونکہ وہ بہت نازک تھی کہاں دو بچوں کو سنبھال پاتی تم تو کمال کی لڑکی ہو شو ڈنٹ ہوتے ہوئے بھی اتنی پھرتیلی ہو جبکہ رابعہ تو کسی کام کو ہاتھ بھی نہیں لگاتی تھی میں نے بھی اس سے وعدہ کیا تھا کہ تمہیں شادی کے بعد کسی کام کو ہاتھ نہیں لگانے دوں گا اس کے ہاتھ بہت نازک اور گداز ہیں گلاب کی طرح بلکہ وہ تو خود ہی سراپا گلاب ہے! تم نے دیسے پر جو سوٹ پہنا تھا وہ میں نے اس کی پسند پر اس کے لیے لیا تھا بارہا اسے ڈریس میں دیکھا تھا خیر اس کے لیے اور لے لوں گا ڈنٹ وری لباؤٹ اٹ، اس کے لیے تو میری جان بھی حاضر ہے، میں تو ہوں ہی اس کا۔“

وہ حیرے سے کہنے لگا تھا رابعہ باب اندر ہی اندر جیسے گہرائیوں میں گرتی جا رہی تھی۔

”تو یہ ہے تمہارا اصل روپ ڈی ایس پی بنگلیمن انفر گیلانی، رابعہ ہے وہ ہستی جس نے تمہیں پیش قدمی سے روکا ہوا ہے تم نے پیش قدمی کی بھی تو اپنے مطلب اپنی غرض کے لیے تاکہ جج جان سکوت مجھے ہانی اور سلجوق کی آیا بنا کر لائے تھے، اسے شادی کے بعد کسی کام کو ہاتھ نہیں لگانے دو گے میں نے کیا قصور کیا تھا کیا میں تمہیں مری پڑی لگتی ہوں جو تم نے دن رات مجھ سے نوکرانیوں کی طرح کام لیا۔“ اس کا دل اندر سے رور رہا تھا دوسرے درو کا بہانہ بنا کر اٹھ گئی۔

لے گا اور کیا عالم امتحان شمشے کا

انگلیوں پہ بیرے کی ہے نشان شمشے کا  
ہیکراں سمندر میں مختصر جزیرہ ہے  
سختیاں ہیں پتھر کی اور بادیاں شمشے کا

☆☆☆

میں حجر کے عذاب سے انجان بھی نہ تھی  
 پر کیا ہوا کہ صبح تک جان بھی نہ تھی  
 آراستہ تو خیر نہ تھی زندگی کبھی  
 پر تجھ سے قبل اپنی پریشان بھی نہ تھی  
 جس جاکیں بننے کے دیکھے تھے میں نے خواب  
 اس گھر میں ایک شام کی مہمان بھی نہ تھی

صبح اس کا سر درد سے پھٹا جا رہا تھا تمام رات جلتے سکتے گزری تھی بے تکلیف کی خود غرضی پر اسے بہت تاؤ آیا تھا وہ ناشتے کے لیے بھی نہیں  
 اٹھی وہ خود ناشتہ کر کے چلا گیا تھا اسے جھوٹے منہ بھی نہیں پوچھا باب نے خود سے سوال کیا کہ اس کے معنی خیز جیسے شوخ لکاپیں اور شریر سے پیغام کیا  
 تھے دل نے کہا کہ اپنی غرض پوری کرنے کے بہانے سے محض نظر کا دھوکہ اسے صرف استعمال کیا گیا تھا۔  
 وہ آئینہ دیکھ کر بارے میں سوچ رہی تھی کہ رفعت چچی کا فون آ گیا خلاف توقع وہ مینٹی مینٹی باتیں کر رہی تھیں اس نے بے اختیار پوچھا میں  
 آ جاؤں انہوں نے فراخ دلی سے اجازت دے دی وہ گھر جوں کا توں چھوڑ کر چلی آئی چچی اور تائی ناراض ناراض لگ رہی تھیں لگ رہا تھا کہ کوئی  
 طوقان آ کے گزر رہا ہے انٹرنیٹ، اخبار، اسما، اور دھوکا سلوک حیرت انگیز طور پر بدلا ہوا لگ رہا تھا وہ سب کتنے بااخلاق اور محبت کرنے والے لگ رہے  
 تھے۔ رات ساری کزنز ایک کمرے میں جمع تھیں انٹرنیٹ اور اخبار نے اس سے معذرت کی اور بہت دوسری آئینہ اور رفعت چچی اسے رازدارانہ انداز میں  
 الگ لے گئیں۔

"پتہ ہے تمہیں کچھ، بھائی صاحب تمہاری فیکٹری کا چیرہ کتنے سالوں سے ازار ہے ہیں علیہ عریضہ کی شادی جو شہزادیوں کی طرح ہوئی ہے  
 تمہارے پیسوں سے ہوئی ہے فیکٹری پر جو ٹھٹھ بھاٹ دیکھنے میں آئے ہیں تمہارا حق مار کر دکھائے گئے ہیں غذا کی مار، دھتیروں کا مال کھانے  
 والوں پر کروڑوں روپے کھانچے ہیں میاں بیوی۔"  
 آمنہ نے دانت پیسے۔

"مگر چچی نانا ابو کہتے ہیں کہ فیکٹری تو خسارے میں جا رہی ہے انہوں نے اپنا پیسہ لگا کر اسے سہارا دینے کی کوششیں کی ہیں جو ناکام ہوئیں  
 تاپا کے کہنے کے مطابق تو فیکٹری کئی سال سے بند ہے۔" وہ یقین ہی نہیں کر پاری تھی۔  
 "اے لو سنو رفعت، دیکھا ہے کو کیسے بے وقوف بنایا ہے فیکٹری تو کبھی بھی بند نہیں ہوئی تھی اسد بھائی جب فوت ہوئے تو فیکٹری خوب  
 منافع دے رہی تھی بھائی صاحب نے پھوٹی کوڑی بھی خرچ نہیں کی ہے الٹا تمہارے پیسوں سے تجوریاں بھرتے رہے تم بھائی صاحب سے اپنا حق

مانگو ہم سب تمہارے ساتھ ہیں خود کو کیا امت سمجھتا " چچی نے اسے سینے سے لگا لیا آج اسے بہت اطمینان محسوس ہو رہا تھا۔

"رہا اب تم سے ایک بات کہوں برا تو نہیں مانو گی۔" آمنہ چچی نے اس کی پیشانی چومی تو وہ شرمندہ ہو گئی۔

"کریں ناں۔" وہ محبت سے بولی۔

"بیٹا سبکدوش کے پاس افشاں اور غمار کی میڈیکل رپورٹ ہے تم وہ ہمیں لا دو کیسے کہوں تم سے شرم آتی ہے، ہم نے جہاں پہلے افشاں اور غمار کی شادی سے انکار کیا تھا ان سے پھر تعلق جوڑ لیا ہے تھوڑے عرصے میں شادی ہو جائے گی اللہ بھی تو دوسروں کے عیب چھپاتا ہے تم ہم پر احسان کرو دو میری بچی، ہم بہت شرمندہ ہیں افشاں اور غمار کو مخالف کر دو۔" وہ دونوں رو رہی تھیں رہا اب کی سمجھ میں نہیں آیا کہ کوئی میڈیکل رپورٹ کی بات ہو رہی ہے اور وہ دو کیوں رہی ہیں بہر حال اس نے گھبرا کر حامی بھر لی۔

"دیکھنا گھر میں ہی کہیں ہوں گی کسی الماری یا دراز میں۔" آمنہ لجاجت سے بولیں پھر وہ فہم کو کوٹے لگیں جس نے ناحق رہا اب کو مارا۔



وہ لان میں چل رہی تھی کہ تائی نے اسے پکار لیا اس کا جانے کو جی نہیں چاہ رہا تھا پھر بھی وہ چلی گئی۔  
 "سب سے انتظار کر رہی ہوں نیکل جا کر آؤ کھانا کھا لو کتنے دنوں بعد تمہاری صورت نظر آئی ہے۔"  
 تائی نے کرسی تحیث کو نکال کر دی۔ رہا اب کو ایک اور شاگ لگا نیکل کی بھری ہوئی تھی۔

"ان چڑیلوں نے خوب تمہارے کان بھرے ہوں گے مگر یاد رکھنا انہوں نے جو کہا وہ جھوٹ ہے تم یہ لو فیکٹری کی چابیاں اور جا کر دیکھ آؤ خود اپنی آنکھوں سے اللہ ہمیں قیاموں کا مال کھانا نصیب نہ کرے۔"

تائی یقین کرنے لگیں رہا اب حق دق رو گئی چابیاں اس کے ہاتھ میں تھیں اور تائی بری طرح رو رہی تھیں۔

"مجھے پتہ ہے تم ناراض ہو فہم کی وجہ سے، پر یہ ان حقائق کی وجہ سے ہوا ہے بڑی پارسلانی پھرتی تھیں تم مجھے افشاں اور غمار کی میڈیکل رپورٹ لا دو دیکھنا پھر کیسے تمہاری بے گناہی ثابت ہوتی ہے میری بچی تو حوروں کی طرح پاک ہے مگر نہ کرنا دیکھنا تہمت لگانے والوں کا حشر کیا ہوتا ہے تم بس مجھے میڈیکل رپورٹ لا دو۔"

یہاں بھی میڈیکل رپورٹ کا چکر تھا اس کا ذہن بالکل ماؤف ہو رہا تھا وہ کیا کرے پھر اس نے تائی کی بات ماننے کا فیصلہ کر لیا کیونکہ وہ اس کی بے گناہی ثابت کرنے کی بات کر رہی تھیں۔ رہا اب دوسرے روز مغرب کے وقت لوٹ آئی مگر کا گیٹ کھلا ہوا تھا ہر چیز ویسے ہی تھی جیسی وہ چھوڑ کر گئی تھی اسے انجان سا خدشہ ہوا اسی وقت فون کی گھنٹی بجی دوسری طرف سلوٹ تھی۔

"جھینکس گاؤ تم آگئیں بھائی جان کی حالت کل سے خراب ہے میں رات ادھر ہی رہی تھی تھوڑی دیر پہلے آئی ہوں ڈاکٹر میرے سامنے بھائی جان کو دیکھ کر گیا ہے ان کی دوائیاں سر ہانے پڑی ہوئی ہیں ہر دو گھنٹے بعد دینا۔" سلوٹ تفصیل سے بتا رہی تھی۔ رہا اب اندر آئی تو دیکھا کہ وہ بے سدھ پڑا ہوا ہے چہرہ بخار کی شدت سے سرخ ہو رہا تھا مگر ابھی اس نے جلدی جلدی چیزیں میٹیں اور وہ بارہ اس کے پاس آئی سبکدوش کا بخار شدت پکڑ چکا تھا رہا اب نے بیٹر بند کیا پھر اس پر سے کپل اتار اس کی شرٹ کے جن کھولے تاکہ اس کا ٹیپر بچہ رمل ہو۔

سادن کا مہینہ شروع ہو چکا تھا دو تین دن ہونے والی ہارٹوں کی وجہ سے ٹھنڈک ہو گئی تھی شاید بے احتیاطی کی وجہ سے اسے بخار ہوا تھا کیونکہ رہا ب نے پوری سردیوں میں اسے ایک ہار بھی گرم کپڑوں یا سوٹر میں نہیں دیکھا تھا مزے سے ہلکی سی شرٹ اور پینٹ میں حکومت اور اب یوں بے یار و مددگار پڑا ہوا تھا یوں لگ رہا تھا دورانِ ڈیوٹی ہی اس کی طبیعت بگڑی ہو گئی کیونکہ یونینڈام اس کے جسم پر موجود تھا جسے اسے بدلنے کا بھی ہوش نہیں رہا تھا رہا ب نے اس کی دھڑکن کو محسوس کیا جو بے حد تیز تھی۔

رات بارو بجے رہا ب نے اسے بمشکل دو اکھائی مہررات کا نہ جانے کون سا پہر تھا جب نیند سے بے حال ہوتے ہوتے وہ سو گئی تھی۔ بیکٹین کی طبیعت تقریباً چار بجے کے قریب کہیں جا کر سنبھلی اسے اب سردی لگ رہی تھی پسینہ بھی آیا تھا اس نے دیکھا ٹیڑ بند ہے کمبل اس کے اوپر سے اتر ا ہوا ہے شرٹ کے بٹن کھلے ہوئے ہیں اور وہ خود اپنے ہی بازوؤں میں سر دیئے سو رہی ہے بیکٹین نے اسے یونہی رہنے دیا اور کمبل اوڑھ کر سو گیا اب وہ مصنوعی بیمار بن کر اس کی تیمارداری کے سلسلے کو جاری رکھنا چاہتا تھا۔

صبح دو اٹھ کر فوراً ہی کام میں لگ گئی پھر دس بجے کے قریب وہ اس کے لیے سوپ بنا لائی بیکٹین مزے سے کھانے لگی بند کئے سے انداز میں پڑا رہا ب نے مشکل سے اپنے کئے بیکٹین کو بازو کا سہارا دے کر اٹھایا اس کی کوشش میں اسے دانتوں پیچھے آگئے یوں لگ رہا تھا وہ کوئی ہستی محسوس مجسمہ ہے جسے ہلاتا بھی دشوار ہے وہ تھا ہی اتنے مضبوط اور کسرتی جسم کا مالک کہ رہا ب جھکی لڑکی کے لیے اسے سہارا دے کر اٹھاتا جو گئے شیر لانے کے مترادف تھا اس جدوجہد میں اس کی صندلی رنگت سرخ ہو گئی تھی۔

اس نے بیکٹین کو سوپ کا باؤل پکڑا تا چاہا اس نے آگے ہاتھ نہیں کئے اس کا مطلب تھا کہ یہ کام بھی اسے ہی کرنا ہے۔ رہا ب گھر کے کام کاج سے غافل رہ گیا تھی اس نے بیکٹین کے لیے کالی مرچوں والی بغیر تھی کی مرغی بنائی۔ جب وہ اندر لے کر آئی تو وہ سو رہا تھا رہا ب نے اسے آہستگی سے بلایا وہ کمزوری کے عظیم الشان ریکاؤڈ توڑتا تھا بیٹھا۔ کالی مرچوں کی ہلکی مرغی دیکھتے ہوئے اس کا پارہ بانہ ہو گیا پھر اسے خیال آیا کہ وہ بیمار ہے "کھاؤ بیکٹین گیلائی یہ پانڈوں والے کھانے۔"

"میرا سر دباؤ درد ہو رہا ہے۔" اس نے فرمائش کی وہ سختی دیر اس کا سر دباتی رہی پھر ہر پانچ منٹ بعد پوچھتی اب آرام ہے وہ ہر ہانپی میں جواب دیتا آخر میں وہ جل گئی۔

"اپنی راجہ سے کہیں وی دہائے آکر۔" وہ جلیں کر بولی تھیں بیکٹین ہنستا چلا گیا۔

رات وہ اپنے بیڈروم میں ٹی وی دیکھ رہا تھا رہا ب کتا میں لے کر پڑنے بیٹھ گئی چند منٹ بعد ٹی وی بند کر کے وہ اس کے پاس چلا آیا۔

"شاہش میرے کمرے میں آکر پڑو۔" وہ دھب سے حکم دے کر چلا گیا۔ رہا ب کچھ سوچ کر چلی آئی وہ کمرے میں نہیں تھا پھر وہی دروازے لاک کر رہا تھا رہا ب نے جلدی جلدی اس کی پرسل دروازہ کھولی۔ ادھر ادھر ہاتھ مارا مطلوبہ چیز سامنے تھی اس نے اشتیاق سے پہلا صفحہ کھولا سب سے اوپر اسی کی رپورٹ تھی اس نے سب کچھ پلٹ ڈالا اور وہ بلیو فائل جس میں یہ رپورٹس تھی ہوئی تھیں اس نے نکال کر بیڈ کے گلے کے نیچے رکھ دی۔ وہ واپس آ رہا تھا رہا ب بیٹھ گئی اندر سے دل دھک دھک کئے جا رہے تھا۔



”آپ کی تائی چچی اور کزنز تو ٹھیک ہیں۔“ وہ اس کے پاس بیٹھے ہوئے عام سے لہجے میں بولا۔

”جی۔“ اس نے جی کہنے پر اکتفا کیا۔

”اگلے ہفتے آپ کا ایڈمیشن ہو جائے گا۔“ سبکدین نے اسے خوشخبری سنائی مگر باب کو خوشی نہیں ہوئی۔

”آپ خواہو اور اتنا تردد کر رہے ہیں جب ہمیں الگ ہونا ہے تو یہ احسان کرنے کا فائدہ۔“ اس نے بڑی مشکل سے یہ جملہ ادا کیا تھا۔

”باب اسد کمال تم نے میری بہت مدد کی بانی اور سلجوق کی دیکھ بھال کی میرے گھر کا خیال رکھا کیا اس کے بدلے میں تمہارے لیے اتنا بھی نہیں کر سکتا“ گویا احسانوں کا بدلہ تمنا خدشات کا مصلحتاً باب کی آنکھ سے دو آنسو نچکے اور زمین میں غائب ہو گئے سبکدین نے دیکھ لیا تھا کھری انٹوں کے ساتھ آنسو بند کرتی وہ بہت اچھی لگ رہی تھی اس کے بالوں کی گھٹی چھایا ڈھلک کر آگے آگئی تھی وہ پندرہ سال کی لڑکی تھی۔

”باب تمہارے بال بہت لمبے ہیں۔“ وہ غور سے دیکھ رہا تھا بے اختیار اس کا جی چاہا باب کی چھایا کھول کر اس کے بال بکھیر ڈالے اور دیکھے وہ کیسی نکستی ہے۔

”رابعہ سے زیادہ لمبے ہیں۔“ اس نے لہجہ بے تاثری رکھا تھا۔  
”معلوم نہیں، میں نے تو کبھی انہیں ہاتھوں سے چھو کر بھی نہیں دیکھا۔“

”اف اس کا دل دھڑک اٹھا۔“ تو تمہیں منع کس نے کیا ہے، تم حق رکھتے ہو آؤ مگر تم نے سارے حق رابعہ کے لیے سنبھال کر رکھے ہیں۔“ وہ صرف سوچ ہی سکی زبان سے کہہ نہیں سکی۔

”باب تم نے کبھی کسی سے محبت کی ہے۔“ اس سوال پر اس نے ہلکے کناں ٹٹا ہوں ہے اسے دیکھا۔  
”نہیں۔“ وہ ہونٹوں کو بے رحمی سے کچل رہی تھی سبکدین کا جی چاہا اسے ایسا کرنے سے روک دے۔  
”کیا کسی نے تم سے محبت کی۔“ ایک نیا حملہ۔  
”معلوم نہیں۔“

”کمال ہے تم اتنی زبردست سی لڑکی ہو کسی نے تو تم سے اظہار محبت کیا ہوگا۔“ وہ جرح کر رہا تھا۔

”میں اتنے ماہ سے آپ کے ساتھ ہوں آپ نے کبھی مجھ سے اظہار محبت کیا ہے، نہیں ہاں اس لیے کہ میں شاید ترس اور رحم کے قابل ہوں۔“ وہ خود اذیتی سے بولی۔

”کیا تو تھا ایک بار اگر یاد ہو تو۔“ وہ شریر لہجے میں بولا۔

”اظہار محبت یا تفتیش۔“ اس نے تضحیک کر پڑھا۔

دن بہت تیزی سے گزر رہے تھے تائی کے ہاں سے میلاؤ کا بازار آیا تو اسے وہ میڈیکل رپورٹس بھی یاد آئیں جو از حاکائی ماہ سے وہیں پڑی ہوئی تھیں۔ اس نے اٹھ کر انہیں شولڈر بیک میں ٹھونسا جب وہ وہاں پہنچی تو بے اختیار ماضی اس کے ذہن میں لہرانے لگا جب وہ چھوٹی تھی تو امی میلاؤ کے روز اسے سائٹن کا چوڑی دار پانچامرا اور سفید ٹشو کا کرتا پہنتا تھا ہاتھوں میں موچے کے سفید گجرے ہوتے وہ کل آبی کے ساتھ مل کر خوش الحانی سے پڑھتی۔

ڈالوڈ الوئی مئی کو درودوں کے بار

پہنو پہنو نمئی مئی درودوں کے بار

پھر جب وہ ہائی سکول میں آئی تو قصیدہ بردہ شریف اسے پورا زبانانی یاد ہو چکا تھا اس کی آواز میں اتنا سوز و گداز ہوتا کہ سننے والوں کی آنکھیں بھیگ جاتیں آج بھی مائیک سب سے پہلے اس کے حوالے کیا گیا۔

برطرف ایک مقدس سی خاموشی طاری تھی نعت پڑھتے ہوئے وہ پوری طرح اس ماحول میں غرق تھی آخر میں تائی اماں نے ہمیشہ کی طرح دعا کی اور کہا کہ ہمیں قیاموں کے حقوق کی تجدید کرنی چاہیے ان کا مال ظلم و زبردستی سے نہیں کھانا چاہیے قیاموں کا مال کھانا جہنم کی آگ پیٹ میں بھرنے کے مترادف ہے اور قرآن وحدیث کے حوالے دے رہی تھیں۔

## سوسائٹی

آج وہ کہتے مینی بعد جائے نماز پر کھڑی ہوئی تھی جب وہ اللہ سے ناراض ہوتی یا کسی سے جھوٹ بول لیتی تو نماز پڑھتا چھوڑ دیتی تھی آج وہ بارگاہ الہی میں کھڑی ہوئی بہت شرمندہ تھی وہ کیوں اس سے آزارش کے موقع پر ناراض ہوئی تھی جھوٹ نہ بولنے کے باوجود کیوں اتنا عرصہ اس کی قربت سے خود کو محروم رکھا کتنی بڑی سزا تھی یہ، وہ تو الحمد سے والناس تک پیار ہی پیار تھا محبت ہی محبت تھا دعا مانگنے سے اس کے اور بندے کے درمیان رابطہ رہتا ہے دعا مانگنے معمول پھیلانے کے بعد اپنے آنسو اس کی رحمت کے حوالے کرنے کے بعد انسان سمجھتا ہے کہ پہلے وہ ایک چھوٹی سی ندی تھا جواب ایک بحر بیکراں میں شامل ہو گئی ہے وہ ندی ہی ندی تھی۔ بحر بیکراں میں شامل ہونے سے عرصہ تھی کتنی سنجوس تھی وہ کتنی جھپٹا تھی وہ اس نے ڈراما آزما کیا لیا اس نے چند ہی موڑ لی۔

”آپنے رب کو مٹائے“ کسی نے دل کے اندر سے سرگوشی کی۔

”اللہ میرے پیارے اللہ میرے طرف دیکھناں میں خالی جھولی لیے بیٹھی ہوں مجھے سب نے راندو درگاہ قرار دے دیا ہے کیا تو بھی میرے ساتھ ایسا کرے گا پھر میں کس در پہ جاؤں گی۔“

وہ جائے نماز پہ سرخ رہی تھی۔

جیو غم سے جس دم آدمی گھبرا سا جاتا ہے۔

تو ایسے میں اسے آواز پر قابو نہیں رہتا۔

وہ اتنے زور سے فریاد کرتا جیٹھا اور جیٹھا تھا کہ جیسے وہ زمیں پر اور خدا ہوا سماںوں پر مگر احساس بھی ہوتا ہے کہ اس کی چیخ رکنے سے پہلے ہی

خدا کچھ اس قدر نزدیک سے اور اس قدر رحمت بھری مسکن سے اس کی چھٹکا اور اس کی بات سنتا ہے کہ فریادی کو اپنی پہنچ کی شدت صدا کی بے یقینی پر ندامت سی ہونے لگتی ہے۔

اسے جدے میں پڑے پڑے محسوس ہوا جیسے وہ نیند میں چلی گئی ہے اور خواب دیکھ رہی ہے تائی رقیہ تاپا، چچا، چچی آمنہ چچی رخت افشاں خمار کی شانی جنید، فہد سب زنجیروں میں بندھے اس کے سامنے کھڑے ہیں پس منظر میں آگ جل رہی ہے۔ وہ بڑا کر خود بخود جاگتی تھی تمام جسم پسینے کی حدیں توڑنے کو بے قرار تھا ایک زوردار سسکی اس کے لیٹوں سے خارج ہوئی پھر تودریا جاری ہو گیا دل موم ہو گیا۔

”اللہ اچھے اللہ بس اور کچھ نہیں چاہیے اپنی شفقت بھری آغوش میں چھپا لو میری چلتی توڑتی روح کو سکون بخش دو وہ پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی پھر اسے اپنی آواز پر کوئی قابو نہ رہا لگ رہا تھا ساری کائنات اس کے ساتھ رو رہی ہے تڑپ تڑپ کر سسک سسک کر ایک نظر کرم کی بھیک مانگ رہی ہے۔“

”اللہ میرے اچھے اللہ میرے پیارے اللہ۔“ ہچکیوں سسکیوں آہوں کے درمیان روتے ہوئے وہ جک جک کر کھرا کر رہی تھی جائے نماز پر وہ بری طرح سرخ رہی تھی بے تکلیف گواندیش ہوا کہیں وہ خود کو دشمن نہ کر لے اس نے آہستگی سے اے جہو اس کی حالت میں کوئی تبدیلی نہیں آئی بے تکلیف نے اسے زبردستی کھڑا کیا۔

”ربا ب اللہ نے سن لی ہے۔“ وہ بولا رعب الہی سے لرزیدہ رباب کو اس نے بمشکل تمام قابو کیا اور اندر لایا اس نے کئی بار اسے آواز دی پر وہ ہوش میں ہوتی تو سستی تمام رات وہ اس کے سینے سے لگی سکتی رہی۔

”اچھے اللہ پیارے اللہ۔“ بے تکلیف کو کسی بھی گستاخی کی جرأت نہیں ہوئی۔

فہد افشاں اور خمار تینوں کی شادیاں ساتھ ہو رہی تھیں کل واپس آچکی تھی اب تو اسے وی آئی پی ٹریٹ منٹ مل رہا تھا رباب ایک ہفتہ پہلے ہی رہنے کے لیے آچکی تھی کچل بھی تھیں یادیں بھلائے برکام میں پیش پیش تھی احتشام نے اسے اتنی محبتیں دی تھیں کہ وہ تمام کڑواہٹ کو پی گئی تھی افشاں اور خمار کی رخصتی کے روز فہد کی بارات تھی۔ پورا گھر جگمگ کر رہا تھا کچل رست اور برداؤن کنٹر اس کے لپٹے چولی میں ہمیشہ کی طرح خوبصورت لگ رہی تھی ہاں رباب بہت اداس اداس تھی اس نے پوچھا تو وہ ٹل گئی آج افشاں اور خمار کی سسرال سے مہندی آئی تھی مگر مہمانوں سے بھرا ہوا تھا ہر دن ملک سے آئے رشتہ داروں کو گیسٹ رومز میں ٹھہرایا گیا تھا رباب نے دیکھا کچل بھی شادی میں آئی ہوئی ہے اس کے دل میں ایک منظر کا نئے کی طرح چھبنا ہوا تھا جب اس نے کچی کو اس کے بھائی کے ساتھ دیکھا تھا وہ اس کے پاس پہنچ گئی اور سوال پوچھا۔

”کیا جنید خاوا اور شانی آپ کے بھائی ہیں۔“

”سوئی تم بہت بے وقوف ہو، مطلب کے وقت گدھے کو بھی باپ بتایا جاسکتا ہے ویسے میرا ان تینوں کے ساتھ خون کا کوئی رشتہ بھی نہیں ہے۔“ وہ مسکرائی رباب کی تسلی ہوئی وہ بٹٹی تو اس نے دیکھا بے تکلیف گہری نگاہوں سے کچی کو دیکھ رہا تھا وہ بھی والہانہ انداز سے اس کی طرف بڑھی۔

”بائے آفیسر آپ نے تو ہمیں خدمت کا موقع ہی نہیں دیا۔“ دو معنی خیز انداز میں مسکرائی رہا باب ستون کی اوٹ میں ہو گئی پھر نہیں اس نے کیا جواب دیا۔

”آپ جیسے پینڈم لے شک آفیسر کے لیے تو جان بھی قربان ہے۔“ دواک ادا سے چمکی تو اس کی سازشی کا سارا پلچ زمین پر آ گیا۔  
 ”ویسے حیرت ہے آپ نے رہا باب جیسی بے وقوف لڑکی سے شادی کر لی کیا ہم قہانے میں آپ کو نظر نہیں آئے تھے؟“ وہ ہنسی بستیگین آگے بڑھ گیا تھا رہا باب نے دیکھا چچی رخصت اور چچی آمنہ بستیگین کی راہوں میں بھی چمکی جا رہی ہیں پائی رقیہ بھی پیچھے نہیں رہی تھیں۔ اسے یہ سب معنوی سالگ رہا تھا جیسے در پردہ رہا باب کوئی اور ہو مگر کوئی آیا دوا تھا رہا باب نے اسے نظر انداز کر دیا تھا وہ خود ہی اس کے پاس آ گیا تھا۔  
 ”بہت خوشی ہوئی بستیگین بھائی کی حقیقت جان کر اب ہم کو کوئی افسوس نہیں ہے سب غلط فہمیوں کا نتیجہ تھا۔“

اس نے پہلی بات ہی یہ کہ رہا باب انگوٹھے سے زمین کھرچنے کی ناکام کوشش کرتی رہی ہر کوئی بستیگین کی تعریف کر رہا تھا اس کی حقیقت جان کر خوش ہو رہا تھا مگر رہا باب خوش نہیں تھی رنگ و خوشبو کی یہ تقریب بھی اس کے بجھے بجھے دل کو زندہ نہیں کر سکی تھی دیواروں میں نصب پہلی قارز سے بلند آواز میں گانے بج رہے تھے اس نے دیکھا کل آپنی سب لڑکیوں کے درمیان ٹیلی تالیاں بجا بجا کر جا رہی ہیں ان کا چہرہ کتنا بے فکر اور ہر وقت قہاشن اچھوکی طرح فہرہ ریحان، استقامت، بستیگین اور دوسرے لڑکے اپنی ٹولیاں بٹائے خوش و خرم سے مٹن بیٹھے ہوئے تھے کسی نے کیسٹ بدل دی تھی بار بار ایک سی گانا شربوز با تھا عریضہ کسی سے کہہ رہی تھی کہ کیسٹ بدل کر لگاؤ۔

انشان اور غدار بھی روایتی شرم و حیا بھلائے سب لڑکیوں کا ساتھ دے رہی تھیں ایک وہی بے چہن تھی جیسے کچھ ہونے والا ہو۔ کافی دیر ہو گئی تھی ابھی تک انشان غدار کی سرال وائے نہیں آئے تھے لڑکیوں میں بے چہنی پھیل رہی تھی وہ گلاب کی پتیوں کی پھٹریاں اٹھائے استقبال کے لیے تیار کھڑی تھیں تانیا نے فون کر دیا واجب و فون کر کے باہر آئے تو ان کے چہرے پر اندرونی خلفشار سے لکیریں کی پڑی ہوئی تھیں وہ آمنہ رخصت اسرار اور واحد کو اندر لے گئے اتنے میں کسی نے تانیا کی گیت پر ایک گاڑی آ کر رکی ہے جس میں انشان اور غدار کے دو بھائی اور ان کے والدین ہیں سب ان دونوں کے سر ہو گئیں کہ تمہاری سرال تو بڑی ایڈوانس ہے۔ شان اندر سے سب کو بلالایا تائی چچی بچا کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں تب وہ دونوں لڑکے آگے بڑھے۔ ”ہمیں اس شادی سے انکار ہے“ پوری محفل میں سنا نا چھا گیا سب ہمت تن گوش ہو گئے۔

بشیر اور ابرار تلخی سے بول رہے تھے۔ ”یہ دیکھیں اپنی بیٹیوں کے کارنامے۔“ ابرار کے والدین نے دوا کاغذ کے مسغے اسرار کی طرف بڑھائے تب رہا باب نے دیکھا وہی میڈیکل رپورٹس ہیں جو اس نے تائی کو دی تھیں اس نے تو انہیں پڑھنے کی بھی زحمت نہیں کی تھی ہر کوئی دلچسپی سے ساری کارروائی دیکھ رہا تھا۔ ”اپنی بیٹیوں پر لٹاؤ رکھا کریں یہ لکھی عرف بہار کے بسائے گئے عشرت کدے میں منٹے میں تین بار جاتی ہیں آپ کی اطلاع کے لیے عرض کر دیں کہ لکھی اور اس کے تمام ساتھی آئی اے کی نظروں میں آ گئے ہیں کیونکہ وہ ملک دشمن جاسوس ہیں۔“ بشیر کے والد بولے پھر وہ تمام رشتے توڑنے کا اعلان کر کے چلے گئے مسخرانہ طور پر لکھی انشان اور غدار پر چمکی ہوئی تھیں سرگوشیوں کا سیلاب اُمنڈ پڑا تھا۔ ”توبہ توبہ کتنی شریف بنی تھیں اپنی چچا اور پرائیڈم کافی تھیں دیکھا کسی چھوٹی تہمت لگانے کا انجام! بھری محفل میں بے عزت ہو گئی ہیں اور ماں باپ کو تو دیکھو جیسے بنانے

میں تھن ہیں معلوم ہی نہیں اپنی لادلیوں کی سرگرمیاں انکی رسوائے زمانہ لڑکیوں کو کونچ چور ہے پر لگانا چاہیے۔“

اسرار، احمد آمنہ اور رفعت تو صدمے اور تلافی سے بت بنے ہوئے تھے اتنے میں ایرج اور اس کے گھر والے آئے مگر ایرج نے انگوٹھی اتار کر فہد کے منہ پر دے ماری۔ ”معلوم ہی نہیں تھا کہ تم ایسی مشہور بہنوں کے بھائی ہو ان سے اچھی تمہاری کزن ہیں جو میرے سب کچھ سہہ گئی اس کے باوجود بھی تمہاری ماں اور آتیوں نے اسے جھٹک نہیں لینے دیا ہر آئے مگر سے جھوٹے قصے تک مریج لگا کر بیان کرتی رہیں کسی کا صبر اتنا مت آزماؤ کہ آسمان کا قبر ٹوٹ پڑے۔ آپ نے تو ان قہیوں کو بھی نہیں بخشا میرے سے شوگر مل فہد کے حوالے کر دی کہ یہ تمہاری ہے خدا کے لیے ڈریں اس سے جو سب کچھ دیکھ رہا ہے آپ نے اتنی رسوائیاں سمیٹ لی ہیں کہ سات پشتوں تک کسی کو منہ نہ دکھائیں گے۔“ ایرج نفرت سے بول رہی تھی۔ پھر وہ بھی چلی گئی، یوں لگ رہا تھا جیسے روزِ محشر ہے اور عدالت لگی ہوئی ہے سب احتساب کی زد میں تھے اسرار نے افشاں کو بالوں سے پکڑا اور واحد نے غمار کو تالو کیا۔

”اور جس نے جو کچھ کیا ہو گا وہ خوب جان لے گا۔“

رہا باب جیسے کسی خواب لے جا گئی وہ ان کے پیچھے بھاگی تو فہد نے اسے پکڑ لیا۔ ”رہا باب! نہیں اپنی سزا بھگتتے وہ تم اتنی مصوم اور شفاف تھیں میں جان ہی نہیں سکا جو اپنی بہن کے سارے پر نظر رکھتی ہو خود اس کی نظر کیسے بہک سکتی ہے، دیکھیں یہ سب رہا باب شفاف ہے آئینہ ہے جس پر گرد نہیں ہے۔“ وہ جیسے پاگل ہو گیا تھا ایک ایک کے پاس اسے لے کر جا رہا تھا۔

”فہد بھائی بس کریں بس کریں۔“ وہ اس سے اپنا بازو چھڑانا چاہتی تھی۔

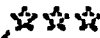
”رہا باب تم مجھے ایسے ہی لہو لہان کر دیجیے میں نے تمہیں کیا تھا میں گناہگار ہوں مجرم ہوں۔“

رہا باب یکدم بے جان ہو گئی تھی اسے وہ خواب یاد آ گیا وہ گھاس پہ پٹپٹتی چلی گئی تھی۔ ”اللہ میرے اللہ، بس کر دیر لے اچھے اللہ، مجھے اب کچھ نہیں چاہیے۔“ وہ چہرہ چھپائے پچکیاں لے رہی تھی۔

دوسری صبح قیامت اپنے جلو میں سمیٹ کر لائی جس اخبار سے اشتہارات کے معاملے میں کمال برادرز کی کھٹ پٹ چل رہی تھی انہوں نے بعد تصور افشاں اور غمار کا اسکینڈل چھاپا تھا کی جیسی رسوائے زمانہ لڑکی سے ان کی دوستی کو بڑھا چڑھا کر بیان کیا تھا کی عرف بہار کے بارے میں بڑی سنسنی خیز خبریں تھیں، مقامی رپورٹر کے مطابق کی عرف بہار قہیوں میں کام کرنے کے چکر میں لاہور سے آئی تھیں قہیوں میں تو اسے جھوٹے مولے رول ملے ایک قسم ساز نے اسے خاور اور حنیہ سے ملا دیا وہ مستقل ان کے پاس رہنے لگی خاور اور حنیہ اپنی وجہ کے بلیک میلر تھے ان کے پاس قہیوں کا ذخیرہ تھا جو ہر دن ملک سے اسمگل ہو کر آتا تھا کی کالج سٹوڈنٹس کو پھانس کر اپنے بٹکلے پر لاتی تھی جہاں بھولے بھالے مصمم ذہنوں میں زہر بھرا جاتا تھا یہ زہر نشہ نشیات سے زیادہ خطرناک تھا یہ زہر نسلوں کو بھی تباہ کر رہا تھا۔ رہا باب خوش قسمت تھی جو بیچ گئی تھی حالانکہ وہ گروہ کے نئے رکن شانی کو بری طرح بھائی تھی۔ لکی کی کارروائیاں دن بدن بڑھتی جا رہی تھیں وہ پولیس کی اکا ہوں میں آگئی تھی حنیہ اور خاور شانی کے ساتھ پہلے ہی گرفتار ہو چکے تھے بہت سارے شرفاء کا پول کھل گیا تھا اسرار اور واحد نے افشاں غمار کو گرفتاری سے بچانے کے لیے گولی مار دی تھی اور خود جیل میں تھے وہ دونوں کی زندگی

ہائی تھی مٹی تھیں اور جیل کی سناخوں کے پیچھے تھیں لگی کے ساتھ، موصوعہ ریشہ اور علیلہ کے شوہر اپنی اپنی بیویوں کو یکے چھوڑ گئے تھے انہیں بھی بیویوں کے ماضی پر اعتبار نہیں رہا تھا رقیہ رفلعت اور آمنہ خوب لڑ رہی تھیں ایک دوسرے پر الزام لگا رہی تھیں تاہم اب چپ چپ سے ہو گئے تھے فہد نے فیکٹری بھل اور باب کے حوالے کر دی تھی اور خود غائب ہو گیا تھا تاہم رقیہ نیم پاگل ہو گئی تھیں۔

کہتے ہیں جو پیسہ ناجائز ذرائع سے کسی کا حق مار کر یا دھوکہ دہی کے ذریعے حاصل کیا جائے وہ حرام ہوتا ہے اور یہ حرام پیسہ جب غذا بن کر معدے میں اترتا ہے تو رنگ دکھا کر رہتا ہے جس اولاد کے لیے تیار یا بچانے قیم و سیر بھتیجیوں کا حق مارا تھا وہی اولاد بے راہ و نقل تھی یعنی حرام پیسہ رنگ لا کر ہاتھ دس سال پہلے جس فیکٹری سے انہوں نے اولاد کے لیے رزق کا ذریعہ پیدا کیا تھا دس سال بعد اس رزق کا حساب بدترین طریقے سے پورا ہوا تھا اسلام نے ایسے ہی تو حلال رزق تلاش کرنے کی تلقین نہیں فرمائی ہے۔ دو تین سال سے ذرا بد کمال، اسرار اور واحد کو فیکٹری سے حاصل ہونے والے منافع میں پھونٹ پڑی تھی سلوک ختم ہو گیا تھا آمنہ اور رفلعت کے دل بھی برے ہو گئے تھے کہ بھائی اور بھائی اکیلے پیش کر رہے ہیں آمنہ اور رفلعت نے رقیہ کو دھمکی دی کہ وہ رباب کے شوہر کو بتا دیں گی کہ تم لوگ اس کی فیکٹری دباؤ بیٹے ہو رقیہ کو آگ لگ گئی تھی بھل کی شادی سے پہلے سبکدوشی نے انہیں افشاں اور غدار کے کردوتوں کا ثبوت پیش کیا جس کی وجہ سے انہوں نے احتشام کے رشتے کی حمایت کی، اتنی ہی ثبوت رباب کے ذریعے قبضے میں لیتا چاہتی تھیں۔ رباب کو غم ہی نہیں تھا کہ پیچھے کیا کہانی ہے اس نے تائی کو میڈیکل رپورٹس لا دیں جو انہوں نے افشاں غدار کی سرال بھجوا دیں جو آگ انہوں نے لگائی خود بھی اس میں بھسم ہو گئیں رباب کی بے گناہی کا ثبوت یوں بھرے گھر میں ثابت ہوا تھا۔



”رباب جان ان سب واقعات کو خوفناک خواب سمجھ کر بھلا دو یہ اسی طرح ہوتا تھا تمہارا اس میں کوئی قصور نہیں ہے اللہ نے ان سے اسی قدر بدلہ لیا ہے جتنی انہوں نے ہمارے ساتھ برائیاں کی تھیں یہ ہمارے مہر کا انعام ہے کاش امی آج زندہ ہوتیں تو ہم دونوں کو ہتھ پستے دیکھ کر کتنا خوش ہوتیں، رباب میں تو اپنے تمام زخم بھلا کر سب کو معاف کر چکی تھی میں نے تو انہیں کبھی بدلہ بھی نہیں دی تھی اللہ بڑا منصف ہے جو اس نے چاہا وہی ہوا اب تم خود کو سنبھالو اچھا ایسا کرو میرے گھر چلو امی جی بہت خوش ہوں گی۔“ اس نے اپنی ساس کا نام لیا احتشام نے بھی پر زور تائید کی۔

”جاؤ چندا بیک میں کپڑے ڈالو کیوں سبکدوشی اجازت ہے۔“

وہ پھر اس کی طرف شرارت سے گھوما تو وہ اسے خشکیں لگا ہوں سے گھورنے لگا۔

”بھول گئے ہو میرے احسانات کو۔“ اس نے احتشام کو یاد دلایا تو وہ ماتھے پر ہاتھ رکھ کر یاد کرنے کی اداکاری کرنے لگا۔

اس کی نگاہوں کے سامنے وہ رباب کو لے گئے وہ بے بسی سے ہونٹ چبانے کے سوا کچھ بھی نہیں کر سکا۔

رباب گزشتہ تین چار روز سے اس قدر اداس و دیران تھی کہ سبکدوشی نے دل میں خود کو جزا باگالیاں دی تھیں وہ نازک سی لڑکی پہلے ہی دیکھوں کے کوہ گراں تلے دوٹی ہوئی تھی اس نے رابعہ کا شوشہ چھوڑ کر اسے گہری کھائی میں پھینک دیا تھا جیسے۔ اب اس کا ارادہ تھا رباب کو اس شرارت کی حقیقت بتا کر معافی مانگ لے گا مگر وہ تو اب چلی گئی تھی۔

امی جی واقعی رہا باب سے مل کر بہت خوش: دیکھیں مسز جواد بھی آگئیں اس کی آمد کی خبر سن کر۔ دوسرے گھبرے بیٹھے تھے احتشام اسے اپنی دلچسپ باتوں سے ہنس رہا تھا ماحول بہت روشن اور کھلا کھلا لگ رہا تھا دوسرے روز وہ اسے فیکٹری لے گیا کھل بھی اس کے ساتھ تھی قانونی کارروائی کے بعد دونوں بٹیس اس کی مالک تھیں رہا باب نے پوری فیکٹری گھوم کر دیکھی احتشام نے اس کے کارکنوں سے تعارف کرایا اور آخر میں اسے آفس میں لے آیا۔

”رہا باب اسد بنگلین یہ ہے آپ کی شاہی کرسی“ وہ اشارہ کرتے ہوئے بولا۔

”احتشام بھائی مجھے اس کی چاہ نہیں ہے بلکہ مجھے کبھی بھی دولت کی چاہ نہیں رہی، امی نے ہماری پرورش ان ذریعہ اصولوں پر کی کہ ہمیں قناعت و سادگی ہی پسند ہے کیوں کل آئی۔“ وہ بین کی طرف دیکھ رہی تھی۔

”ہاں احتشام یہ ٹھیک کہہ رہی ہے۔“

”رہا باب تم مانویانہ گانوں یہ فیکٹری تم دونوں کی ہے۔“ وہ ایک سخت سنجیدہ ہو گیا۔

”آئی کیوں نہ فیکٹری سے حاصل ہونے والی آمدنی سے ہم یتیم اور بے سہارا بچوں کے لیے ایک گھر بنائیں فیکٹری بھی چلتی رہے گی اور بچوں کو ایک گوشہ عافیت بھی میسر آجائے گا۔“ رہا باب نے تجویز پیش کی کل نے اتفاق کیا اس کی بات سے کیونکہ وہ جان گئی تھی یہ سب رہا باب کے اشہور میں دینی خواہشوں کا نتیجہ ہے وہ گھر لوٹے تو بنگلین ان کا منتظر تھا کل اور احتشام خوشی سے ہنس رہا باب نے کوئی نوٹس نہیں لیا وہ اسے لینے آیا تو اور اسے آٹا ہی پڑا آٹا وہ راجہ کے مسئلے پر کل کر بات کرنا چاہتی تھی واپسی پر گھر جانے کے بجائے وہ گاڑی ادھر ادھر گھماتا رہا اور پھر اسے ایک ٹی اور انجان جگہ لے آیا گیٹ کے باہر دیوار کے ساتھ ٹی تختی پر بڑے بڑے نمبرے حروف میں ”بنگلین دلا“ لکھا ہوا تھا وہ الجھتی اگر یہ گھر اس کا تھا تو اسے یہاں راجہ کو لانا چاہیے تھا وہ گاڑی پورچ میں لے گیا۔

”یہ ہے میرا غریب خانہ جمہا نے میرے، میرے بچوں اور میری ہونے والی بیٹی کے لیے بنوایا تھا۔“ وہ اسے گھر دکھاتے ہوئے بتا رہا تھا رہا باب نے اسے شاعر اور ویل ڈیکورر سمجھ کر گھر کا خواب میں بھی تصور نہیں کیا ہوگا اتنا خوبصورت اور وسیع لان تھا مصنوعی نوارے لگے ہوئے تھے مختلف پھولوں کے مچکے پودے باہر سے منکوا کر لگائے گئے تھے بزرگھاس کا فرش بچھا ہوا تھا یہ جگہ مضائقہ سے ذرا بٹ کر تھی اس لیے ایک سکون کا سا احساس ہوا تھا وہ اسے بیڈروم دکھانے لے گیا بالکل خوابوں جیسا کمرہ تھا قیمتی پینٹنگز سرسراتے پردے، نفیس ڈیکوریشن دیز تالین ہر چیز امارت کا منہ بولا ثبوت تھی۔

”اچھا لگا کمرہ۔“ اس نے پوچھا۔

”مجھ سے کیا پوچھ رہے ہیں جس نے رہنا ہے اس سے پوچھیں۔“ دوسرے دلچسپ میں بولی۔

”اور کس نے رہنا ہے؟“

وہ تالبار راجہ کو ببول رہا تھا رہا باب کو رونا آ رہا تھا یہ شخص اس کے ساتھ کھیل رہا تھا اور اب شاید یہ کھیل منطقی انجام کے قریب تھا۔

”واپس چلیں کافی دیر ہو گئی ہے۔“ رہا باب نے رسٹ وای پر ٹکا دوڑائی۔





”ابھی نہیں۔“ اس نے اس کے آگے ہاتھ جوڑے وہ گہری سانس لے کر رہ گیا۔  
 اگلی صبح وہ جاگا تو اس کے سر ہانے پھول اور تہ کیا ہوا کاغذ پڑا تھا۔ سبکدوشین نے ایک نظر دیکھ کر کاغذ کھول لیا۔  
 ابھی ٹھہرو

ابھی کچھ دن لگیں گے

دھل کی خواہش بنانے میں

تھیں اپنا سمجھنے کے لیے دل کو مٹانے میں

ابھی کچھ دن لگیں گے

ابھی ہم اپنی اپنی خوشبوؤں کو دل سے مٹے دیں

انہیں محسوس کرنے دیں

ابھی کچھ دن لگیں گے

رشتہ ہے نام کو ہم نام کرنے میں

کہانی کو کسی آغاز سے انجام کرنے میں

کہیں اعتبار کرنے میں

ہمیں اقرار کرنے میں

ابھی ٹھہرو

ابھی کچھ دن لگیں گے

”کتنے دن لگیں گے یہ بھی مادیتیں۔“ اس نے گلاب اٹھا کر سو گھا۔

سوسائٹی

ڈاٹ کام

سبکدوشین آفس میں تھا سادون کے صینے کا آغاز ہو چکا تھا محکمہ موسمیات نے پیش گوئی کی تھی کہ آج بہت گرم چمک کے ساتھ طوفانی بارش  
 ہونے کی توقع ہے آسمان کا لے سرمئی بادلوں سے ڈھکا ہوا تھا موسم بڑا خوشگوار ہو رہا تھا سخت گرمی کا زور آج ٹوٹ گیا تھا سبکدوشین کے تمام ماتحت بھی  
 موسم کی خوبصورتیوں سے لطف اندوز ہو رہے تھے وہ اے دن جیولر کی طرف چلا گیا جہاں کل ڈسکریٹ ہوئی تھی اڑھائی تین گھنٹے ابتدائی کارروائی اور  
 پوچھ بچھ میں لگ گئے جب وہ وہاں سے نکلا تو رات کے اندھیرے میں چھٹا چم ہارش برس رہی تھی بے اختیار اس کا منی جا ہاڑ کر باب کے پاس پہنچ  
 جائے اور آج فاصلوں کی تمام دیواریں اس کی ناراضگی کے باوجود بھی گرا دے ”مگر نہیں“ وہ خود سے بولا اس کا نظم کی صورت میں درخواست نامہ یاد آ  
 گیا تھا کتنا بے بس تھا وہ ہاتھ ہی بندھے ہوئے تھے۔

سبکدوشین نے گاڑی تھانے کی طرف موڑ لی۔ تمام کارروائی تفصیلات اس نے فائل میں درج کیں اور کھل کرنے کے بعد کرسی کی پشت

سے نیک لگائی ابھی صرف دس بجے تھے دل چاہ رہا تھا ادھر ہی رک جائے وقت گزاری کے لیے اس نے اخبار اٹھا لیا۔ صبح کا اخبار جو چائے کے دھبوں سے کہیں کہیں ملا ہوا لگ رہا تھا ایک آرنیکل کے اختتامی ٹوٹ اور فیض احمد فیض کی نظم نے اس کی توجہ کھینچ لی۔ لکھا تھا کہ۔

”ماں باپ کی موجودگی میں بچے ہیروں سے بھی زیادہ قیمتی ہوتے ہیں کیونکہ ان کے سروں پر مٹا کا سایہ ہوتا ہے والدین میں سے کسی ایک کی بھی موت کے بعد یہ لعل و گوہر ہیرے پتھر سے گئے گزرے ہو جاتے ہیں ان ٹوٹے شیشوں کا کوئی مسیحا نہیں ہوتا کیونکہ کرچیاں پختے سے اپنے ہاتھ زخم زخم ہو جاتے ہیں اور کون ہے جو اپنے ہاتھ زخمی کر لے کون ہے جو ان کے زخموں کو سنبھالے؟“

شیشوں کا مسیحا کوئی نہیں

موتی ہو کہ شیشہ جام ہو کہ در

جو ٹوٹ گیا سو ٹوٹ گیا

کب اشکوں سے جڑ سکتا ہے

تم تاحق نکلو اے جن جن کر

دامن میں چھپائے بیٹھے ہو

کیوں آس لگائے بیٹھے ہو

یہ ساغر شیشے لعل و گوہر

سالم ہوں تو قیمت پاتے ہیں

یوں نکلے نکلے ہوں تو فضا

چھتے ہیں بہرہ لواتے ہیں

# سوسائٹی ڈاٹ کام

”بہت خوب“ اس نے داد دی کس تو بھرتی سے یتیم بچوں کو ٹوٹے شیشوں سے تشبیہ دی گئی تھی۔ اس نے لکھنے والے کا نام تلاش کرنے کی کوشش کی۔ ”رہاب اسد کمال۔“ آف اس کا دل ہی جیسے دھڑکنا بھول گیا بجلی کڑکی تو ذہن کے بند در پہ کھل گئے وہ فوراً بھاگتا ہوا اپنی گاڑی کے پاس پہنچا۔ ”رہاب میں تمہیں ٹوٹے نہیں دوں گا۔“

وہ بہت فاسٹ ڈرائیونگ کر رہا تھا اسے خود پہ بہت فضا آ رہا تھا کہ اسے یہ اہم بات یاد کیوں نہیں رہی تھی حالانکہ کل نے اسے بہت تفصیل سے بتائی تھی اس نے رہاب کے بارش کے خوف کے بارے میں کھل کر اسے بتایا تھا سائیکا فرسٹ کی رائے بتائی تھی اور یہ بھی کہا تھا کہ بارش میں آپ جہاں کہیں بھی ہوں رہاب کے پاس پہنچ جائیں اسے اکیلا مت چھوڑیں۔

بارش کی وجہ سے ماحول دھندلا لگ رہا تھا بادل پوری قوت سے گرج رہے تھے۔ سبکدھن نے تیل دی کوئی روٹل نہیں ہونا چاہا وہ دیوار پھلانگ گیا وہ بے تابی سے اسے آوازیں دے رہا تھا ڈھونڈ رہا تھا پھر اس نے دیکھا وہ زمین پر ہوش و خرد سے بیگانہ پڑی ہوئی ہے منہ اب بھی خوفزدہ

انداز میں کھلا ہوا تھا۔ ”رہا باب“ اس نے زور زور سے اسے بلایا اس میں کوئی حرکت نہیں ہوئی وہ اسے دیوانوں کی طرح مجبوز نے لگا ہوا ادھر ادھر سرخ رہی تھی پھر اس نے آنکھیں کھول دیں سامنے بے تکلیف جیسا مضبوط سہارا تھا وہ بے تاب بچے کی مانند اس سے لپٹ گئی بے تکلیف کے اندر گولے سے اٹھنے لگے وہ بری طرح کانپ رہی تھی ہونٹ بار بار کچھ کہنے کی کوشش میں ساکت ہو رہے تھے ابھی کچھ کہنے بیٹروہ بھی تو یہی چاہ رہا تھا کہ سب قاسطے مٹ جائیں مگر نہیں وہ اٹھ کھڑا ہوا رہا باب بھی اس کے ساتھ کھڑی ہوئی وہ دھڑکن بنی اس کے سینے سے لگی کھڑی تھی بے تکلیف نے اسے بے دردی سے خود سے علیحدہ کیا۔

”رہا باب میرے ساتھ آؤ۔“ اس کا لہجہ بہت سنجیدہ تھا۔

وہ اس کے ساتھ تسلیاتی باہر آئی تھی پھر اچانک بے تکلیف نے اسے باہر دھکا دے کر دروازہ لاک کر لیا۔  
 ”دروازہ کھولیں فارغا ڈسک دروازہ کھولیں میں مرجاؤں گی۔“ وہ زور زور سے دروازے کو ہل رہی تھی چیخ رہی تھی دردی تھی باہر پہلے سے بھی شدت کے ساتھ بادل گر رہے تھے اور بجلی چمک رہی تھی اس کی کڑک اعضاءوں پہ کوڑے برساتی محسوس ہو رہی تھی بے تکلیف کا دل اسے یوں باہر نکال کر خون ہو رہا تھا یہ ضروری تھا ایک بار پہلے بھی اس نے رہا باب کو بادلوں، بجلیوں کے آگے بے حال ہونے دیکھا تھا اور اس کا دل چاہا تھا اس کا یہ خوف ختم ہو جائے مگر یہاں آدھا کھٹے وہ دروازہ کھولنے کی فریاد کرتی رہی پر وہ بے حس بن گیا تھا سانس نہیں چل رہی تھی رہا باب دروازے کے ساتھ چٹکی چٹکی تھی اور پوری کی پوری بھیک چکی تھی دردی تھی بارش اور اس کے آنسوؤں میں فرق نہیں رہا تھا اور بے تکلیف کتنا مستعد رہا تھا اسے باہر نکال کر بھول گیا تھا نہ جانے وہ اس سے کس بات کا بدلہ لے رہا تھا پر وہ اسے بتا دے گی کہ وہ عام سے لڑکی نہیں ہے وہ رہا باب اسد ہے وہ اپنے بہادر سپاہی کی بہادری بیٹی ہے اس احساس نے اسے دروازے کی چوکت چھوڑ کر کھڑا ہونے پر مجبور کر دیا وہ صحن میں پہنچی بادل گر رہے اس نے اپنے ہی بازوؤں میں سر چھپایا کمزور سادل کا پناہ نازک جسم لرزہ کوئی اندر سے مسلسل صدا تیں دے رہا تھا۔  
 ”ہمت کرو بہادر خوب لوگ بارش کو انجوائے کرتے ہیں جیسے ہیں بادلوں کا گر جتا بجلی کا کڑا کٹا نہیں تھرتک لگتا ہے۔ ہوندوں کی جھم جھم محبوب کی پائل کی آواز لگتی ہے شاہاں سر اٹھاؤ ہمت کرو دیکھو تو سامنے کتنا خوبصورت بھارہ ہے، آسمان کتنا اسرار بھرا لگ رہا ہے کتنے رنگ بکھرے ہوئے ہیں، رہا باب شاہاں آنکھیں کھولو ہوندوں کی موسیقی سنتا چاہتی ہو تو آنکھیں کھول۔“ اس کے اندر کی آوازیں ناقابل برداشت ہو گئی تھیں۔

”یہ بادل یہ بجلی یہ بارش کسی کو ساتھ لے کر نہیں جائے گی یہ تو قدرت کی خوب صدیوں کا چھوٹا سا اظہار ہے۔“ رہا باب نے ڈرتے ڈرتے آنکھیں کھولیں سر اٹھایا اسے یوں لگا یہ نگارہ بالکل نیا ہے واقعی اس کے لیے تو نیا ہی تھا جیسے اس نے آج ہی جنم لیا ہو۔ ہوش سنبھالنے کے بعد وہ پہلی بار آج بارش میں کھلے آسمان تلے آئی تھی بارش نے دلکش سی دھند بھیلانی ہوئی تھی بجلی کڑکی سارا ماحول منور ہو گیا رہا باب اسے ڈر نہیں لگا اس نے ہاتھ کھول کر پھیلا دیئے ہوندوں کی پائل اس کی تسلی پر پڑ رہی تھی، نہیں بلکہ وہ تو پورے ان میں پڑ رہی تھی یہاں وہاں ہر طرف ہوندوں کا شور تھا درخت مجھوم رہے تھے پتے تالیاں بجا رہے تھے وہ پہلے بار یہ دیکھا ہی نہیں تھا۔ پورے لان کے چکر دیوانہ وار کاٹ رہی تھی ہنس رہی تھی کل کھلا رہی تھی سات سالہ رہا باب کا ڈر آج کئی سالوں بعد بادلوں اور ہوا کے سنگ بھاگ گیا تھا ادھر ادھر بے تکلیف آنکھیں بند کئے بیٹھا تھا ضبط شدت سے اس کے

چہرے سے خون چھلکا پڑ رہا تھا جیسے اس نے رباب کو باہر نکال کر جوا کھلوا تھا جس میں ناکامی اور کامیابی کے برابر چانس تھے اگر وہ ناکام ہو گیا تو.....

”نہیں نہیں۔“ اس نے ہال مٹھیوں میں جکڑ لیے ”اسے کچھ نہیں ہوگا آج اس کا ذریعہ کے لیے ختم ہو جائے گا۔“

”کیا تھا اگر تم بھی خود اس کے ساتھ جاتے؟“ کوئی اندر سے بولا۔

”نہیں یہ مناسب نہ ہوتا۔“ وہ اس کا سہارا پا کر سات سالہ رباب ہی رہتی اور وہ اس سات سالہ رباب کو برہمنوں پرانے خوف کے حصار سے نکالنا چاہتا تھا وہ کس بے تابی و خوف سے اس کے پاس تحفظ کی تلاش میں آئی تھی اس کے نرم و گدازلس سے سبکدوشی کے اندر بھانپ کر اٹھے تھے تحقیق پکارنے لگی تھی اگر وہ عام سے مرد کی طرح جذبات کی رو میں بہہ جاتا تو اس کی رباب پر ہمیشہ کے لیے نفسیاتی مریضہ کا ٹیگ لگ جاتا اس نے حوصلے و ضبط سے شوریدہ سر بھرے ہوئے دریا پر بند باندھا تھا کتنی بے دردی سے اس پھول جیسے وجود کو الگ کر کے باہر کی خالم فضا میں چھوڑ دیا تھا وہ کیسی دیوانوں کی طرح چلا رہی تھی۔

اب تو کافی دیر ہو گئی تھی کوئی آواز نہیں آئی تھی انجانے خدشات کو رفع کرتے اس نے دروازہ کھولا تھا سامنے حیرتوں کا جہان آباد تھا شہزادی کے جسم کی آخری سوئی بھی نکل چکی تھی اس کا دل چاہا وہ بھی بنے مسکرائے بالآخر ادھوری رباب مکمل ہو گئی تھی اسے دیکھنے کے لیے سبکدوشی نے اپنے دل اور رمانوں کا خون کیا تھا وہ ہر ایک چیز اور ہر شخص سے عزیز تر ہو گئی وہ دوزخ کا بوجھن کر اس کر کے اس کے پاس پہنچا۔

”دیکھیں کتنی زبردست بارش ہو رہی ہے۔“ رباب نے سر خوشی کے عالم میں بتایا پھر جیسے اسے یاد آ گیا کہ وہ تو اس سے ناراض ہے۔  
”میرے ساتھ بات مت کریں۔“ وہ آگے ہو گئی۔

”آئی ایم سوری طوطے بلکے ہیں کیونکہ آج سے تم رہنا ہو یہ سب کچھ تمہارا خوف دور کرنے کے لیے ضروری تھا۔“ وہ مطمئن انداز میں مسکرایا اچانک زور سے بادل گرے اور بجلی کڑکی تو سارا ماحول سفید چمک دار روشنی میں نہا گیا وہ بالکل نہیں ڈری۔  
”میرا دل سرے سے ختم ہو گیا ہے میں نے تمہیں باہر نکال کر بیوی قتل کی۔“ وہ تانیف سے آسمان کو دیکھ رہا تھا پھر وہ اندر چلا آیا بھیگے کپڑے بدلنے لگا وہ باہر نکلا تو دیکھا کہ رباب اس کے کمرے میں موجود ہے کاسی بھیگے کپڑوں میں لمبوس سے موقی گرائی اگرچہ وہ باہر کپڑے اچھی طرح جھٹک کر نچڑ کر اندر داخل ہوئی تھی اس کے باوجود بھی پانی کے قطرے اس کے کپڑوں اور بالوں سے گر رہے تھے بیگ لباس اس کی رعنائیوں کو چھپانے میں ناکام ہو رہا تھا۔ اس نے دوپٹہ نچڑ کر سلیقے سے شانوں پر پھیلا دیا ہوا تھا اس نے ٹائیں چڑائیں اس کا بھیگے بیگ حسن دیکھ رہا تھا شعلوں کو ہوا سے رہا تھا وہ بالوں میں مڑ کر برش کرنے لگا وہ ڈیرنگ ٹیبل کے سامنے آگئی مین اس کے آگے۔

”کیا میری شکل بہت بری ہے۔“ اس نے مصومیت سے پوچھا وہ جواب دیئے بغیر گلاس وٹرو کے سامنے کھڑا ہو گیا۔

”سبکدوشی۔“ رباب نے اسے شرمیلے نرم لہجے میں پکارا اسے اپنی ساتھیوں پر شبہ ہوا تاہم وہ گھوما اس نے ٹائیں سے سوال کیا۔

”میں نے آپ سے کہا تھا ناں کہ ابھی مجھے کچھ دن لگیں گے تو وہ کچھ دن مکمل ہو گئے ہیں۔“ الفاظ ٹوٹ ٹوٹ کر رباب کے منہ سے نکلے وہ

یہی تو چاہتا تھا کہ وہ خود اقرار کرے اپنے آپ کو کمتر سمجھنا چھوڑ دے اور ایسا ہی ہوا تھا۔

”کون سے دن مجھے کچھ یاد نہیں ہے۔“ وہ تجاہل عارفانہ سے کام لیتے ہوئے بولا۔

”آپ سمجھ جائیں ناں۔“ ہونٹ کا قحطی انگھیاں مرد ذاتی وہ سیدھی دل میں اتر گئی اب بھلا وہ اور کیسے کتنی فرط حیا نے زبان پر تالے ڈال رکھے تھے۔

”مثلاً کیا میں یہ سمجھ لوں کہ  
بارش وصل میں وہ بھی کٹھن کٹھن کیا ہم بھی کٹھن کٹھن گئے۔“  
اس سوال پاس کی چٹنی پیوندوں سے چپکنے لگی۔

”رباب تم بہادر ہو۔“ اس نے انداز بدلتا تو اس نے اثبات میں سر بلایا۔ ”تو پھر مجھے چاہو مجھے دیکھو مجھے سنو۔“ فرمائش ہوئی وہ چلا اس کے قریب سامنے ٹھہر گیا۔  
”رباب، فہم نے جب تمہیں مارا تھا اور کل کی زبانی مجھے ظلم ہوا تھا تو میرا دل چاہا تھا فہم کے جسم کا ریشہ ریشہ الگ کر دوں اس کی صورت کو ناقابل شناخت بنا دوں میں نے اسی روز وعدہ کیا تھا کہ تمہیں اتنا عیار کروں گا کہ تم اپنا ہر زخم بھول جاؤ گی، میں تمہارا چارہ گر بخوں گا تمہارے سارے خوف گرد راہ بنا دوں گا۔“ وہ جذبہ لہجائی سے کہہ رہا تھا۔  
”آپ بہت اچھے ہیں۔“ وہ فقط یہی کہہ سکی۔

”اگر آپ احساسات کی زبان سمجھتے ہیں تو میرا دل رواں رواں آپ کا شکر یہ ادا کر رہا ہے۔“ رباب کی نگاہوں سے واضح جذبہ تشکر چمک رہا تھا۔  
”پتہ نہیں میں اچھا ہوں یا نہیں، کیونکہ کچھ دیر اور تم ہی مجھے کہو گی سبکدین آپ بہت برے ہیں۔“ وہ شرارت سے ہنسار رباب کی نگاہ جھک گئی ان شوخ و گستاخ نگاہوں کا سامنا آسان نہ تھا جو جراتوں کی دھمکیاں دے رہی تھیں۔  
”تمہاری اس ”ابھی نہیں“ کے بعد میں نے خود پر کیسے کیسے نہیں جبر کیا تھا، تم میری دسترس میں میرے اختیار میں تمہیں تمہارا یہ سبانا روپ کیسے کیسے مہرے ایمان کو ڈمکا تا تھا اور تم کتنی ظالم بنی ہوئی تھیں آج تم سے تمہاری جفاؤں کا حساب لیا جائے گا، کتنے سینے ہو گئے ہیں تمہیں اس گھر میں آئے ہوئے“ سبکدین اس کے قریب ہوا اور دونوں کلاٹیاں تمام کرا سے بے بس کر دیا۔  
”ایک سال سے کم۔“ سبکدین کے ارادے سے خوفزدہ کر گئے۔

”ہوں یا دوست اچھی ہے تمہاری تو، ایک سال کا حساب کچھ کم نہیں ہوتا، بڑی شیرازی تھیں دیکھو گاتمہاری بہادری۔“  
”ہنیں۔“ رباب نے اسے دیکھا۔

”اب ایک سیکڑ بھی نہیں۔“ سبکدین کے بازوؤں کا حصار سخت ہوتا گیا..... اس کی آہنی گرفت سے ربابی ممکن ہی نہیں تھی اور وہ اس کی اس خوب صورت قید سے رہائی چاہتی بھی نہیں تھی۔